فیاض رفعت

ہزار راتیں

PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081

فیّاض رفعت

ہزار راتیں

(الف لیلیٰ سے ماخوذ ڈرامے)

یہ کتاب

اُتر پردیش اُردو اکادمی

کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

اس کتاب کے مندرجات سے اُتر پردیش اُردو اکادمی کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہزار راتیں

(الف لیلیٰ سے ماخوذ ڈرامے)

ڈرامائی پیش کش:

فیاض رفعت

زیر اہتمام:

تخلیق کار پبلشرز

C-54، گلی نمبر-۵، جے-ایکسٹینشن، لکشمی نگر، دہلی-۱۱۰۰۹۲

نام کتاب : **ہزار راتیں** (الف لیلیٰ سے ماخوذ ڈرامے)

ناشر و مصنف : فیاض رفعت

رابطہ : ۳۲۸، ایلڈیکو گرینس، ڈریم ولا، گومتی نگر، لکھنؤ۔۲۲۶۰۱۰ (یو۔پی)
Ph: 09936138470

تعداد : ۴۰۰

ناشر : انیس امروہوی

○ **تخلیق کار پبلشرز**

C-54، گلی نمبر۔۵، جے۔ ایکسٹینشن، لکشمی نگر، دہلی۔۱۱۰۰۹۲

سرِورق : مسعود التمش

کمپوزنگ : رچنا کار پروڈکشنز، لکشمی نگر، دہلی۔۱۱۰۰۹۲

مطبع : روشن پرنٹرس، چوڑی والان، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

ملنے کے پتے:

- مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
- بک امپوریم، اُردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ۔ ۸۰۰۰۰۴ (بہار)
- کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
- ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۱ (یو۔پی)
- ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، گلی وکیل، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
- کتاب دار، جلال منزل، ٹیمکر اسٹریٹ، نزد جے۔ جے۔ اسپتال، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸

T.P.: 0272 | ISBN-978-93-80182-90-2

HAZAAR RAATEIN *(Dramas)* | 2014

By FAIYAZ RIFFAT | Rs. 180.00

TAKHLEEQKAR PUBLISHERS

54-C, Street No.-5, J - Extension, Laxmi Nagar, DELHI-110092

Ph.:011-22442572, 9811612373 E-mail:qissey@rediffmail.com

○

اُردو ادب کے عاشق بے پناہ

ایڈووکیٹ یاسین مومن بھونڈی

کے نام

جن کے دم قدم سے اُردو کی محفلیں آباد ہیں

○○

فہرست

قلندروں کے قصے

سندباد جہازی

سندباد کے اسفار

حرف آغاز

(الف لیلیٰ کا پہلا ورق)

راوی کا بیان ہے کہ.........

''اگلے زمانے میں فارس کی سلطنت نہایت وسیع و عریض تھی۔ وہاں کا بادشاہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ حکومت کا کاروبار چلا رہا تھا۔ اس کی سخاوت رعایا پروری اور انصاف کی لوگ قسمیں کھاتے تھے۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ شہریار اور شاہ زماں! جب بادشاہ واصل جنت ہوا تو شہریار اس کا جانشین ہوا اور شاہ زماں کو سمرقند کی عنان حکومت سپرد ہوئی۔ دونوں اپنے اپنے علاقوں میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کی باہمی جدائی کو دس برس گزر گئے کہ بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور اس نے اپنے وزیر اعظم کو اس کے بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وزیر اعظم نہایت شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوا۔

جب سمرقند تین کوس رہ گیا تو شاہ زماں نے بڑے اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور بھائی کی خیر خبر دریافت کی۔ وزیر نے جواب میں شہریار کا پیغام عرض کر دیا۔ شاہ زماں نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا اور اپنے وزیر کو جانشین قرار دے کر اپنے شہر سمرقند سے نکلا، لیکن شہر سے تھوڑی دُور جا کر آدھی رات کے وقت اسے ایک بات یاد آ گئی اور وہ اُسی وقت محل شاہی کی طرف لوٹا جہاں پہنچ کر اسے ایک اور ہی نظارہ

دیکھنا پڑا، کہ اس کی ملکہ ایک حبشی غلام کے ساتھ ہم آغوش ہو رہی ہے۔ یہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ تلوار کھینچ کر چشم زدن میں دونوں کے سرتن سے جدا کر ڈالے اور لاشوں کو کھڑکی کی راہ سے خندق میں پھینک کر اپنے لشکر سے جا ملا اور فی الفور کوچ کا حکم دے دیا۔

جب بھائی کے دارالخلافہ کے نزدیک پہنچا تو شہریار نے نہایت جوش وخروش کے ساتھ استقبال کیا۔ اس کے ملنے پر بے پناہ خوشی اور محبت کا اظہار کیا اور اپنے ساتھ لا کر ایک عالیشان محل میں جہاں سے شاہی پائیں باغ کا کونہ کونہ دکھائی دیتا تھا، اُتارا۔ دونوں بھائی دیر تک آپس میں محبت کی باتیں کرتے رہے۔ جب شہریار نے ملکہ شاہ زماں کی خیریت پوچھی تو شاہ زماں کو نہایت رنج محسوس ہوا اور اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ شہریار نے گمان کیا کہ شاید شاہ زماں کو ملکہ کی جدائی شاق گزرتی ہے۔ اس لیے اس نے اس سلسلے کی گفتگو کو ہی چھوڑ دیا۔ لیکن جب اسی رنج وغم میں کئی دن گزر گئے تو شہریار اس کا باعث پوچھ ہی بیٹھا۔ شاہ زماں نے جواب دیا کہ اسے ایک اندرونی تکلیف ہے۔ شہریار نے علاج بتلایا کہ اس کے ساتھ سیر و شکار کو چلے تا کہ اس کا دل بہلے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ ناچار شہریار کو اکیلا ہی جانا پڑا۔

شاہ زماں تنہا اپنے محل میں رہ گیا اور اس کے دل میں رات کے وقت پائیں باغ کی سیر کا خیال آیا۔ وہ کمرے کا بیرونی دروازہ بند کر کے دریچہ میں جا بیٹھا جہاں سے پائیں باغ دکھائی دے رہا تھا۔ اتنے میں شاہی محل کا دروازہ کھلا اور اندر سے بیس عورتوں کے جھرمٹ میں ملکہ شہریار باہر نکلی۔ باغ میں پہنچ کر ان میں سے دس خواصوں نے اپنے اپنے پیراہنوں کو اُتار ڈالا۔ شاہ زماں کی حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہ حبشی غلام تھے اور ہر ایک نے ایک خواص کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ملکہ نے بھی مسعود کا نام لے کر کسی کو پکارا اور ایک کالے بھجنگ کندۂ ناتراش حبشی نے درخت سے اُتر کر فوراً ملکہ کو بغل میں لے لیا اور یہ چنڈال چوکڑی رنگ رلیوں میں مصروف ہو گئی۔

شاہ زماں کھڑکی سے سارا حال دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ صبح کا وقت قریب آ گیا۔ سب نے تالاب میں غسل کر کے اپنی اپنی راہ لی۔ شاہ زماں کے دل سے اس واقعے نے سارا رنج و الم دُور کر دیا اور وہ سوچنے لگا کہ عورتوں کی فطرت ہی اس قسم کی واقع ہوئی ہے اور میرے بھائی کی مصیبت مجھ سے بھی زیادہ ہے اور چند ہی روز میں اس کی کایا پلٹ گئی۔

جب شہریار شکارگاہ سے لوٹا اور اس نے شاہ زماں کی حالت میں نمایاں تبدیلی پائی تو حیران ہو کر اس کی وجہ دریافت کی۔ شاہ زماں نے اس کو ٹالنا چاہا، مگر شہریار نے اصرار کیا کہ جب تک وہ اس کی حقیقی وجہ دریافت نہ کر لے گا، اُسے چین نہ آئے گا۔ ناچار شاہ زماں نے سمرقند سے روانہ ہونے، آدھی رات کے وقت محل کو لوٹ جانے اور ملکہ کے کرتوت پر اسے اور حبشی غلام کو قتل کر کے خندق میں پھینک دینے کی کیفیت بالتفصیل سنا کر کہا کہ میرے رنج کی اصل وجہ یہ تھی۔ مگر گستاخی معاف اس رنج سے چھٹکارے کی کیفیت عرض نہیں کر سکتا۔ لیکن شہریار نے قسم دلائی اور مجبوراً شہریار کو اس کی ملکہ کے کرتوت سنا کر اپنے دل کو تسلی دینے کی حقیقت بھی بیان کی۔ شہریار کو اعتبار نہ آیا اور اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ شاہ زماں نے اس کے دل کو تسلی دینے کے لیے کہا کہ آپ میرے پاس چھپ رہیے۔ پھر میں آپ کو ساری کیفیت آنکھوں سے بھی دکھا دوں گا۔

شہریار نے اس تدبیر کو پسند کیا اور شہر میں منادی کرا دی کہ کل وہ اپنے بھائی کی صحت یابی کی خوشی میں شکار کے لیے روانہ ہوں گے۔ چنانچہ فوراً ہی تیاریاں شروع ہو گئیں اور اگلے دن دونوں بھائیوں نے محلوں سے کوچ کر کے شکارگاہ کے قرب و جوار میں ڈیرا لگایا۔ دن وہاں گزارا اور شام کے وقت لشکر سے چھپ کر چپ چاپ شاہ زماں کے محل میں آ کر سو گئے اور وقت مقررہ پر اُٹھ کر اسی دریچے میں آ بیٹھے جہاں سے پائیں باغ کی پوری کیفیت دکھائی دیتی تھی۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں پھر وہی چور دروازہ کھلا اور ملکہ شہریار بیس خواصوں کے ساتھ نمود ہوئی جن میں دس نے اپنے

پیراہنوں کو اُتار کر الگ رکھ دیا اور اپنی اصل شکل پر آکر ایک ایک عورت کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ملکہ بھی مسعود کو بلا کر الگ ہو گئی اور سب کے سب صبح تک خاک اُڑانے میں مشغول رہے اور پھر اپنی اپنی راہ لی۔ اس کیفیت کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر کے شہریار کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور بڑی ہی مایوسی سے اس نے شاہ زماں سے التجا کی کہ آؤ اس فریبی اور غدار دنیا کو ہی چھوڑ دیں۔ ہمیں سلطنت کی حاجت نہیں ہے اور ہماری زندگی موت سے بدتر ہے۔ لیکن شاہ زماں نے اسے ایک شرط پر منظور کیا کہ اگر ہمیں کوئی ذی نفس اپنے سے زیادہ مصیبت زدہ دکھائی دیا تو ہم فوراً دنیا میں لوٹ آئیں گے۔ شہریار نے بھی اسے مان لیا۔

پھر دونوں چور دروازے سے نکل کر ایک طرف کو چل پڑے اور چلتے چلتے ایک مرغ زار میں پہنچے جو برلب دریائے شور تھا اور اس میں ایک میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ وہ چشمے کے کنارے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ستانے لگے کہ اتنے میں دریائے شور سے ایک خوفناک گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور پانی پھٹ گیا۔ جس میں سے دُھوئیں کی صورت میں ایک کالے ستون نے نکلنا شروع کیا۔ وہ دونوں ڈر کر درخت پر چڑھ گئے اور اس کے پتوں میں چھپ کر دیکھنے لگے۔ وہ کالا ستون کنارے پر آکر ایک سیاہ دیو بن گیا اور سر پر ایک بڑا سا صندوق رکھے ہوئے اس درخت کے نیچے آیا جس پر دونوں بھائی چھپ رہے تھے۔ اس نے جب سر سے اُتار کر صندوق کھولا تو اس میں سے ایک نہایت ہی خوبصورت عورت نکلی۔ سیاہ دیو نے اسے مخاطب کر کے کہا کہ اے سردار خوباں تو اپنے جمال میں یکتا ہے اور میں تیرا عاشق بن کر برات سے تجھے اُٹھا لایا تھا اور آج تک تجھے بھی نہایت وفادار پایا ہے۔ اس وقت مجھے نیند آرہی ہے۔ چاہتا ہوں کہ تیرے زانو پر سر رکھ کر سو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ جن خراٹے بھرنے لگا۔

عورت نے اتفاقاً سر اوپر کی طرف اُٹھایا تو اسے دو آدمی دکھائی دیے۔ اس نے فوراً جن کے سر کو زانو پر سے اُٹھا کر زمین پر رکھ دیا اور دونوں بھائیوں کو اشارہ کیا کہ نیچے اُتر آؤ اور کچھ خوف نہ کرو۔ مگر دونوں نے معافی مانگی۔ لیکن جب اس عورت نے دھمکی

دی کہ اگر نہ اُترو گے تو میں اس جن کو جگا کر تمہیں قتل کرا دوں گی تو وہ جان کے خوف سے فوراً اُتر آئے۔ اس عورت نے مسکراتے ہوئے دونوں کا ہاتھ پکڑ کر وصل کی دعوت دی۔ جس سے پہلے تو انہوں نے انکار کیا، مگر اس کی دھمکیوں سے مجبور ہو کر اس قحبہ کا حکم بجالائے۔ اس کے بعد اس نے دونوں سے انگوٹھیاں طلب کیں اور انہیں اپنی صندوقچی سے پانچ سو سات انگوٹھیاں ایک ڈورے میں پروئی ہوئی نکال کر دکھائیں اور ہونٹوں پر شاطر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی۔

''میرے حال سے تم قیاس کر سکتے ہو کہ کوئی شخص عورت کو بدکاری سے باز نہیں رکھ سکتا۔''

یہ کہہ کر اس نے ان کی انگوٹھیاں بھی اس ڈورے میں پرولیں اور صندوق میں رکھ کر آپ اپنی جگہ پر آ بیٹھی اور دونوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ بدکار عورت کی چالاکی اور دیدہ دلیری دیکھ کر دونوں کو سخت تعجب ہوا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ جن کی مصیبت ان سے کہیں بڑھ کر ہے۔ حسب قرارداد دونوں شہر کے دارالخلافے کو لوٹ آئے۔ محل میں داخل ہوتے ہی شہریار نے ملکہ، اس کے خواصوں اور غلاموں کو جہنم واصل کر دیا اور عزم مصمم کر لیا کہ ہر شب کو ایک باکرا دوشیزہ کے ساتھ نکاح کر کے صبح کو اسے قتل کر ڈالے گا۔

اس تجویز کے بعد اس نے شاہ زماں کو رُخصت کر دیا اور اس کے چلے جانے کے بعد وزیر سے ایک سردار کی لڑکی نکاح میں لانے کے لیے کہا۔ وزیر نے حکم کی تعمیل کی۔ بادشاہ نے رات بھر اسے اپنے پاس رکھا اور صبح کے وقت قتل کر ڈالا۔ غرض کہ اسی طرح تین سال تک امراء اور شہر کی لڑکیاں اس کے ہاتھ سے قتل ہوتی رہیں۔ ملک میں کہرام سا مچ گیا۔ رعیت نے بھاگنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ کوئی بھی پاکیزہ لڑکی شہر میں نہ رہی۔

ایک دن حسب معمول بادشاہ نے وزیر کو ایک نئی لڑکی لانے کا حکم دیا لیکن جب تلاش کرنے پر بھی اسے کوئی لڑکی نہ ملی تو وہ نہایت پریشان اور خائف ہو کر گھر کو آیا۔ وزیر کی اپنی بھی دو لڑکیاں تھیں...... شہرزاد اور دنیازاد، جن کا حسن باکمال اور ذہانت

زبان زد خاص و عام تھی اور جن کی علمیت اور فضیلت کا ایک زمانہ قائل تھا۔ بڑی لڑکی نے جب اپنے باپ کو غیر معمولی طور سے رنجیدہ پایا تو اس نے رنج و غم کا سبب دریافت کیا۔ وزیر نے حقیقت حال کھول کر سنائی۔ جسے سن کر شہرزاد نے جواب دیا کہ میری عرض قبول کریں تو میں اس کا انتظام کیے دیتی ہوں۔ وزیر نے پوچھا کس طرح؟ تو شہرزاد نے جواب دیا کہ بادشاہ سے میرا بیاہ کر دیجیے۔ پھر میں آپ ہی سمجھ لوں گی یا تو بادشاہ کو اس گناہ عظیم سے باز رکھوں گی یا اپنی ہم جنسوں پر قربان ہو جاؤں گی۔

غرض کہ شہرزاد کی ضد سے مجبور ہو کر وزیر اُسے محل میں لے گیا اور عقد کے بعد رُخصت ہو لیا۔ خلوت میں بادشاہ نے اسے نقاب اُتارنے کا حکم دیا۔ دیکھا تو وہ رو رہی تھی۔ وجہ دریافت کی تو شہرزاد نے کہا، میری چھوٹی بہن بھی ہے جسے میں بہت چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ رات کو وہ بھی میرے پاس رہے تا کہ صبح کے وقت ہم دونوں ایک دوسرے کا آخری دیدار کر سکیں۔ بادشاہ نے دنیازاد کو بھی بلوانے کی اجازت دے دی۔ غرض شہریار اور شہرزاد دونوں پلنگ پر سوئے اور دنیازاد کو فرش زمین نصیب ہوا۔ رات کے آخری پڑاؤ سے اک ذرا پہلے طے شدہ منصوبے کے مطابق دنیازاد نے شہرزاد کو آواز دی کہ باجی جان! سخت رنج و غم کے سبب رات کٹتے دکھائی نہیں دیتی۔ اگر کوئی کہانی یاد ہو تو کہو کہ طبیعت بہلے۔ شہرزاد نے بادشاہ سے اجازت طلب کی جو بخوشی دی گئی۔

اور یوں داستان در داستان کا سلسلہ دراز ہوا جو ہنوز جاری ہے اور جب تک زندگی ہے، یہ حکایت لذیذ ہمارے ذہن و دل میں جوت جگاتی رہے گی۔

OO
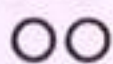
— فیاض رفعت

لکھنؤ

کچھ الف لیلیٰ کے بارے میں

عربی زبان کی شہرۂ آفاق داستانوی تخلیق الف لیلیٰ کی حکایات کی اساس فارسی کی کتاب ''ہزار افسانہ'' پر قائم ہے (Hisory of the Arabs by Hatti)۔ ہزار افسانہ اب نایاب ہے لیکن اس کا ذکر مہلودی (متوفی ۹۵۶ء) نے کیا ہے۔ اسحٰق نے اپنی کتاب الفہرست ۹۸۸ء میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی حکایات بار بار مختلف قصہ نگاروں کے قلم سے تحریر ہوتی رہیں اور اس طرح ان کی ضخامت اور مقدار میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ چودھویں صدی عیسوی میں مملوک بادشاہوں کے زمانے میں الف لیلیٰ اپنی مکمل شکل میں سامنے آئی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کا مواد نویں صدی عیسوی میں عرب پہنچ گیا تھا۔ جہاں اس میں مزید دو جزو کا اضافہ ہوا۔ ایک بغدادی اور دوسرا مصری۔ بغدادی جزو میں خلیفہ ہارون رشید (آٹھویں نویں صدی) کے عہد کی معاشرت ملتی ہے۔ مصری جزو میں وادیٔ نیل کی تہذیب کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ اس حصے میں عفریت، جن، دیو اور پریوں کا بیان اور سحر و طلسم کا زور ہے۔ البتہ الف لیلیٰ کا ابتدائی اور اصلی جزو وہی ہے جس کا تعلق ایرانی معاشرت سے ہے۔ لیکن اس معاشرت میں کچھ ہندی نقوش بھی ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں حکایات کو جس طرح مربوط کیا گیا ہے، وہ خالص ہندی الاصل ہے، اور ''مہابھارت'' اور ''پنچ تنتر'' میں موجود ہے۔ مثلاً متکلم مخاطب سے کہتا ہے کہ تمہارے ساتھ بھی وہی نہ ہو جو فلاں کے ساتھ ہوا۔ مخاطب پوچھتا ہے وہ کس طرح؟ اب متکلم دوسرا قصہ شروع کر دیتا ہے۔ اور

اس طرح قصہ در قصہ کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

ہمدانی الحریری مسعودی وغیرہ ابتدائی قصہ گو ہیں۔ ان کا زمانہ دسویں صدی عیسوی سے بارہویں صدی عیسوی تک کے نصف اوّل کا ہے۔ عربوں کا اصل کارنامہ ''ہزار داستان'' ہی ہے لیکن یہ کہانیاں فارسی اور سنسکرت سے عربی میں منتقل ہوئیں۔ مگر قطع و برید کے بعد یہ ماخذ سے اتنی مختلف ہوگئیں کہ انہیں طبع زاد عربی کہانیوں کا درجہ دیا جانے لگا۔ عربی کہانیاں شجاعت اور دلیری کے لازوال کارنامے ہیں اور عہد عتیق کے رومان انگیز، صحرائی ماحول کی دلکش ترجمانی کرتی ہیں۔

''الف لیلیٰ'' انسانی تخئیل اور دشمن جاں راتوں کے ہنگامہ زار کی تمثیل ہے۔ شہرزاد کے سر پر شہریار کی تلوار لٹک رہی ہے۔ ہر رات اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔ اور ہر رات وہ کہانی کا سلسلہ شروع کرتی ہے۔ یہ گویا موت کے فیصلے کے خلاف زندگی کی ایک انوکھی چال ہے۔

''ایک ہزار ایک راتیں'' شہرزاد پر یلغار کرتی ہیں اور پسپا ہوتی ہیں۔ ایک ہزار ایک ویں رات کی پسپائی موت کی پسپائی ثابت ہوتی ہے اور زندگی کی چال کامیاب ٹھہرتی ہے۔

''الف لیلیٰ'' اُن عربوں کے تخئیل کا کارنامہ ہے جو قبائلی زندگی کی منزل تو عبور کر چکے تھے مگر جن کے سینوں میں ابھی قبائلی الاؤ کی آنچ باقی تھی۔ ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ عرب شاعر میلوں میں پہنچتے تھے اور ٹیلوں پر کھڑے ہوکر اپنا کلام سناتے تھے۔ راتوں کے صحرائی سفر میں قافلے نے جہاں پڑاؤ کیا اور الاؤ گرم کیا، داستان گو نے کوئی داستان سنانی شروع کردی۔

عرب داستان گو صحرائی وسعت سے بیگانہ نہیں ہوا ہے۔ وہ اپنے صحرا سے نکلتے ہیں اور دنیا کے سمندروں، جنگلوں اور صحراؤں کو کھوندتے پھرتے ہیں۔ بے آباد جزیرے اور خلقت سے بھرے ہوئے شہر، وہ سب پر چھا جانا چاہتے ہیں۔ وہ پورے کرۂ ارض پر پھیل جانا چاہتے ہیں۔ بڑھنے اور پھیلنے کا یہ جذبہ ''الف لیلیٰ'' کا بنیادی جذبہ

ہے۔ ''الف لیلیٰ'' کی کہانیوں میں ایکشن اکثر سفر سے پیدا ہوتا ہے۔ سفر کا انجام کہانی کا بھی انجام ہوتا ہے۔ سفر ان سرداروں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ سفر وسیلہ ظفر ہے۔ یہ خیال اُن کے اجتماعی شعور میں رچ بس گیا ہے۔

اس سفر کا منتہا کیا ہے، یہ سوداگر زادے، شہزادے، وزیر زادے، ملاح، مادی منافع اور آسائشوں کے بے شک قائل ہیں لیکن اس سے زیادہ ان کے یہاں دنیا کو دیکھنے اور جاننے کا شوق کارفرما ہے۔

یہ کردار اُس قوم کے ترجمان ہیں جس نے ایک عرصے کی جاہلیت کے بعد علم کی روشنی پائی ہے۔ ان کے لیے کائنات نئی نئی ہے اور چیزیں اُجلی اُجلی ہیں۔ ان چیزوں کو دیکھنے، چھونے اور چکھنے کی بے پناہ خواہش ''الف لیلیٰ'' کی کہانیوں میں زر د جواہر کی افرات اور خوشبوؤں اور پوشاکوں کی صورت میں اظہار پاتی ہے۔ ''الف لیلیٰ'' میں دنیا کی ہر نعمت فراوانی سے نظر آتی ہے۔ ہیرے جواہرات، درہم و دینار، زرق برق پوشاکیں، بلند عمارتیں، باغات، ان میں بہتی ہوئی نہریں، خوشبوئیں، شرابیں، حسین وجمیل عورتیں اس دنیا میں کوئی محروم نہیں ہے۔ یاروں کو خریداری کے بہانے امیرزادوں کی صحبت اور شراب وکباب کی دعوت میسر آجاتی ہے۔ بت طناز حسیناؤں کی قربت اور اُن کے ساتھ وصل کے مواقع فراہم ہو جاتے ہیں۔ ''الف لیلیٰ'' میں قدم قدم پر تحیر واسرار کی دنیا آباد کی گئی ہے کہ اس کا یہی وصف اُسے دوسری داستانوں سے ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

داستان کی روایت یونانی رزمیوں میں موجود تھی۔ ممکن ہے کہ ''الف لیلیٰ'' کے داستان گویوں نے بھی خوشہ چینی کی ہو۔ اس کی ایک مثال اوڈیسی بھی ہے۔ یہ انسانی فطرت کی کرشمہ سازی ہے جو اُسے نئی دنیاؤں کی تلاش وجستجو پر آمادہ کرتی ہے۔ مہم جو انسان انئے جہانوں کی تلاش میں نکلتا ہے، صحراؤں کی خاک چھانتا ہے، سمندر کی شہ زور لہروں سے ٹکراتا ہے کہ کسی طور فطرت کے اسرار سے پردہ اُٹھائے۔ سفر اُس کے لیے وسیلہ ظفر ہے۔ ''الف لیلیٰ'' میں اس مہم جو کو عرب داستان گو سندھ باد جہازی کا نام

دیتے ہیں اور اوڈیسی میں یہ اوڈیس کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔

''الف لیلیٰ'' میں دو طرح کے سفر ملتے ہیں۔ ایک تو بحر و بر کا سفر ہے۔ یہاں آدمی زمان و مکان کا اسیر رہتا ہے۔ لیکن ایک دوسرا سفر ہے جہاں زماو مکاں گم ہوتے نظر آتے ہیں۔ یوں تو ''الف لیلیٰ'' کا ہر سفر تاریکی میں چھلانگ ہے لیکن بحر و بر کا سفر کرتے کرتے جب اس دوسرے سفر کی منزل آتی ہے تو باہر کی روشنی کے سارے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ بس اپنے اندر کی روشنی راہ دکھائے تو دکھائے۔ اس سفر کے جوکھم باز مسافر کبھی کسی خفیہ کوٹھری کے دروازے کو کھول کر، کبھی کسی پُراسرار محل میں داخل ہو کر، کبھی کسی تہہ خانے میں اُتر کر ایک دوسری دنیا میں داخل ہوتے نظر آتے ہیں۔ کہیں یہ دنیا آدمی کے اندر کی تو دنیا نہیں ہے۔ اور یہ ڈراؤنی صورتیں، سائے اور منظر وہ شکلیں اور شبیہیں تو نہیں ہیں جو باطن کی تہہ میں دفن ہیں۔ ان قلندروں اور فقیروں کی آپ بیتی آپ ذرا غور سے پڑھئے تو اُس زمانے کے سیاسی انقلابات کے عبرتناک مرقعے بھی نظر آئیں گے۔

احوی اور عباسی دورِ سلطنت کے یہ عبرتناک انقلابات ''الف لیلیٰ'' کی کہانیوں میں آوارہ و بے خانماں وزیر زادوں اور شہزادوں کی آپ بیتیوں میں جابجا جھلک دکھاتے ہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ ''الف لیلیٰ'' اُردو میں کسی ایک صورت میں لکھی ہوئی موجود نہیں ہے۔ خود عربوں کے درمیان اس کی صورت یہ ہے کہ قلم بند ہونے کی کوئی معین اور قطعی تاریخ بتانے سے قاصر ہیں۔ اور نہ کسی ایک مصنف کا نام لیا جانا ممکن ہے۔ مختلف اوقات میں گمنام مولفوں نے ان کہانیوں کو جو زبانی سنائی جاتی تھیں، قلمبند کر لیا تھا۔ اب تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی ابتدائی صورت کیا تھی۔ کیونکہ ''الف لیلیٰ'' کے جو قدیم ترین نسخے دستیاب ہو چکے ہیں، جو اس وقت سے صدیوں بعد کے ہیں جب یہ پہلی مرتبہ مرتب اور مولف ہوئی تھی۔ زمانے کی اخلاقی اقدار اور رسم و رواج کے مطابق ان میں مولفین ترمیم و تنسیخ کرتے رہے۔

اُردو میں جن لوگوں نے ''الف لیلیٰ''، منتقل کی، اُن میں مولوی عبدالکریم، رتن ناتھ سرشار، مرزا حیرت دہلوی اور منصور احمد کے نام نمایاں ہیں۔ رجب علی بیگ سرور نے بھی اسے اُردو میں منتقل کیا تھا۔ رتن ناتھ سرشار کا مرتب کیا ہوا نسخہ ''الف لیلیٰ'' انگریزی اور عربی سے ماخوذ ہے۔ انہوں نے ترجمہ و تلخیص کرتے وقت لکھنؤ کے معاشرے کی حد بندیوں کے پیش نظر اخلاقیات کے نام نہاد تصور کو سامنے رکھا۔ شاید اسی لیے بقول انتظار حسین...... ''الف لیلیٰ کی گرم عورتیں اس حد تک گرم نظر نہیں آتیں جس حد تک وہ الف لیلیٰ میں طبعی طور پر موجود تھیں۔'' بہرطور سرشار کا ترجمہ اس اعتبار سے قابل قدر ہے کہ وہ بذات خود بڑے تخلیقی فنکار تھے اور یہ کہ اُن کی تخلیقی جولانیاں زبان کے حسن کرامت اور لطافت کا جگہ جگہ پتہ دیتی ہیں۔'' انگریزی میں رچرڈ برٹن کا نسخہ الف لیلیٰ حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔

۱۹۸۸ء میں میں نے ''الف لیلیٰ'' کے مختلف نسخوں کا مطالعہ کیا، جس میں برٹن کا انگریزی نسخہ بھی شامل تھا اور آل انڈیا ریڈیو، ممبئی کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے ''الف لیلیٰ'' کے منتخب حصوں کو ٹی۔وی پر پیش کرنے کے لیے ڈرامے کی صورت عطا کر دی۔ مشہور فلم پروڈیوسر سلیم اختر کو میرا یہ کام پسند آیا مگر وہ دوسری فلموں میں اُلجھے رہے اور اِن الف لیلوی ڈراموں کو سیریل میں منتقل نہیں کیا جا سکا۔ جن دنوں میں یہ کام کر رہا تھا، کئی لوگوں کو اس کی بھنک لگ گئی اور یار لوگ اس خیال کو لے اُڑے، اور میں ہاتھ ملتا رہ گیا۔

مرحوم طاہر حسین بھی ''الف لیلیٰ'' کو چھوٹے پردے پر پیش کرنے کے خواہاں تھے۔ رامانند ساگر نے پیش رفت کی اور انہوں نے ''الف لیلیٰ'' کو ٹی۔وی کے لیے سیریلائز کر دیا۔ میری تساہلی کہیے یا جو بھی نام دیجیے، میرا کیا ہوا کام ڈھول چاٹتا رہا۔ برسوں بعد ردی کے ڈھیر میں ''الف لیلیٰ'' کے یہ کچھ ڈرامے محفوظ مل گئے اور میں نے انہیں جھاڑ پونچھ کر برادرم انیس امروہوی کے سپرد کر دیا۔ اب یہ متاع فقیر قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ شاید پسند خاطر ہو اور کسی کام آئے۔

کتاب کے آخر میں اسکرپٹنگ کے آداب پر ایک طالب علمانہ مضمون بھی شامل کر دیا ہے۔ ممکن ہے نئی نسل کے کچھ کام آجائے۔ اس کام میں میری شریک حیات فیروزہ خان نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی ہے۔ میں دل سے اُن کا سپاس گزار ہوں۔ میں برادرم اسلم پرویز کا بھی ممنون کرم ہوں جنہوں نے اس سلسلے میں دو ڈرامے اپنے رسالے''اُردو ادب'' میں نوٹ کے ساتھ شائع کر کے میرا حوصلہ بڑھایا۔

○○

— فیاض رفعت

قلندروں کے قصے

قصہ یک چشم قلندر کا

سین۔۱

جائے وقوع : شاہی محل

وقت : رات

کردار : شہر یار، شہزاد، دنیا زاد، حمال اور حسینائیں اور قلندر۔

شہر یار: (شہرزاد کو مخاطب کرتے ہوئے) شہرزاد! کہانی کا انجام جاننے کے لیے ہم

بے قرار ہیں کہ جلد از جلد حسیناؤں کے راز سے پردہ اٹھے۔ اُن قلندروں کا کیا ہوا ہارون رشید اور اس کے وزیر پر کیا بیتی حمال کا ماجرا بھی جلد بیان ہو، اشتیاق ہے کہ بڑھتا جا رہا ہے۔

شہرزاد: جہاں پناہ کا حکم سر آنکھوں پر بندی نے کہانی جہاں چھوڑی تھی۔ وہیں سے شروع کرتی ہے۔ (وقفہ) ہاں تو جہاں پناہ، ان حبشیوں نے ننگی تلواریں سونت لیں، اور وہ بس وار کرنا ہی چاہتے تھے کہ حمال چلایا۔

(منظر تبدیل ہوتا ہے)

سین۔۲

جائے وقوع : حسیناؤں کا مسکن

وقت : رات

کردار : تین حسینائیں، خلیفہ ہارون رشید اور وزیر کے علاوہ دیگر حضرات

حمال: (ڈر سے کانپتے ہوئے) بی بی صاحبہ! ہم نے سنا تھا کہ ایلچی کی کوئی گردن نہیں مارتا۔ (حبشیوں سے) ذرا تلوار نیچی کر لو۔ بات تو کرنے دو یا مار ہی ڈالو گے۔ (حسینہ۳ یعنی زبیدہ کی طرف پلٹتے ہوئے) میں نے تو محض ان گستاخ انسانوں کا پیغام آپ تک پہنچایا۔ یہاں کسے معلوم تھا کہ ایلچی کو زوال نہیں ہوتا والی مثال بھی غلط ثابت ہوگی۔ جل تو جلال تو۔ آئی بلا کو ٹال تو! خدایا رحم (آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے)۔

حسینہ: تم ان کے جھانسے میں کیوں آئے۔ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جہاں ایک کانا ہوتا ہے وہ مکان ویرانہ ہوتا ہے۔

حمال: بی بی صاحبہ! یہاں تو تین تین ہیں۔ (آہ بھرتے ہوئے شعر پڑھتا ہے)

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں زیست کے ارماں ہوں گے

حمال: میں تو چین سے بیٹھا خوش **گپّیاں** کر رہا تھا۔ ان کانوں نامرادوں کے قدموں کی نحوست نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ (حبشیوں سے) ارے بھائی حبشیو! تم ہی رحم کھاؤ۔ ارے بچاؤ۔ ذرا ہاتھ تو نیچا کر لو یا اللہ خیر!

حمال کا مکالمہ جاری رہتا ہے

(پھر حسینہ نمبر۔ ایعنی ماہ لقا کو مخاطب کرتے ہوئے) آپ ہی مجھے یہاں لائی تھیں۔ میرا خون آپ کے سر ہوگا۔ میں بے قصور ہوں ہائے ہائے جینے کی ادا یاد نہ مرنے کی ادا یاد۔ (حمال کی تمسخرانہ باتوں اور حرکتوں سے تینوں حسیناؤں کے چہروں پر زیرلب مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔)

زبیدہ: (سنجیدگی سے) وہ گھڑی آیا چاہتی ہے جب تمہاری گردنیں تن سے جدا کر دی جائیں گی۔ سچ سچ اپنا احوال بیان کرو کہ تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔

ہارون رشید: (اپنے وزیر جعفر سے) فوراً میرا نام بتاؤ۔ کہیں کوئی حرکت ہماری شان کے خلاف نہ ہو جائے۔

وزیر: حضور خطا معاف! اس ناگہانی مصیبت کی وجہ خود آپ ہیں۔ جان بوجھ کر خود کو خطرے ڈالا اور خادم کی بات پر کان نہیں دھرے۔

(حسینہ نمبر ۳ قلندروں کے نزدیک جاتی ہے) بہتر ہے کہ تم اپنا احوال بیان کرو۔

تینوں قلندر ایک ساتھ: ہماری الگ الگ کہانی ہے۔

حمال: بی بی صاحبہ بی بی صاحبہ پہلے میری سن لیجئے کہ پہلے میں آیا تھا اور میں ہی پہلے چلا جاؤں تاکہ مزید مصیبت نہ اٹھاؤں۔

حسینہ ۲ یعنی فریدہ: ویسے بھی یہ جب تک رہے گا مسخرہ پن کرتا رہے گا۔ لطیفہ گو جو ٹھہرا۔ چلو اس کا گناہ معاف کردو۔ اسے جانے دو۔

حمال: (گہری سانس بھرتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر) خدایا تیرا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ نجات ہوئی۔ رب کریم، اب جان میں جان آئی ہے۔ اچھے کھانے ہضم نہیں ہوئے۔ گھر جا کر مونگ کی دال کھاؤں گا تاکہ عقل ٹھکانے آئے۔ میں مزدور ہوں کہ قسمت سے مجبور ہوں۔ مگر حرف آشنا اور پڑھا لکھا ہوں۔ اپنا غم بھلانے کے لیے ہنستا ہنساتا ہوں۔ آپ کی صحبت میں کچھ دیر مزے سے بسر کی۔ مگر ان کانوں کی نحوست کی وجہ سے حماقت ہوگئی۔ خدا جانتا ہے کہ یہاں سے جانا میرے لیے غم کا باعث ہے۔ مگر جان ہے تو جہان ہے اور پھر وہ جو کسی نے کہا ہے:

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر
تو ہے خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر

(سب ہنس دیتے ہیں)

حسینہ۳: تمہاری جان بخشی کی جاتی ہے۔ اب تم چلتے پھرتے نظر آؤ اور اپنی جان کی خیر مناؤ۔

حمال: (التجا کرتے ہوئے) ان قلندروں کی داستان سن لینے دیجئے۔ اپنی جان عزیز کی قسم میں ہرگز دخل اندوزی نہیں کروں گا۔ چپ رہوں گا لب سی لوں گا حسینہ نمبر۳ اشارے سے اسے روکتی ہے اور پھر ـــــ

حسینہ۳: (پہلے قلندر سے) بلا کسی تمہید کے اپنی کہانی بیان کرو۔

پہلا قلندر: میں ایک بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ میرا چچا بھی بادشاہ تھا۔ دونوں بھائیوں کی سرحدیں ملی ہوئی تھیں۔ اور دونوں میں بڑی محبت تھی۔ جس طرح اپنے باپ کی میں اولاد تھا اسی طرح میرے چچا کا بھی ایک بیٹا تھا۔ ہم دونوں کا بچپن ساتھ ساتھ گزرا۔ تعلیم و تربیت بھی ساتھ ساتھ ہوئی۔

(منظر تبدیلی ہوتا ہے)

سین۔۳

(فلیش بیک)

جائے وقوع : شاہی باغ

وقت : صبح

کردار : قلندر جو اصل میں شہزادے ہیں اور ان کے مصاحبین۔

شاہی باغ میں شہزادے تلوار بازی، تیر اندازی اور گھوڑ سواری سیکھ رہے ہیں۔ دونوں گھوڑوں پر بیٹھ کر ایڑ لگاتے ہیں اور پھر ان دونوں کو جوان ہوتے ہوئے بتایا جاتا ہے قلندر بھولا بھالا اور شریف ہے۔ جبکہ اس کا چچا زاد بھائی نہایت زیرک، چالاک اور چھپا رستم ہے۔

(تبدیلیِ منظر)
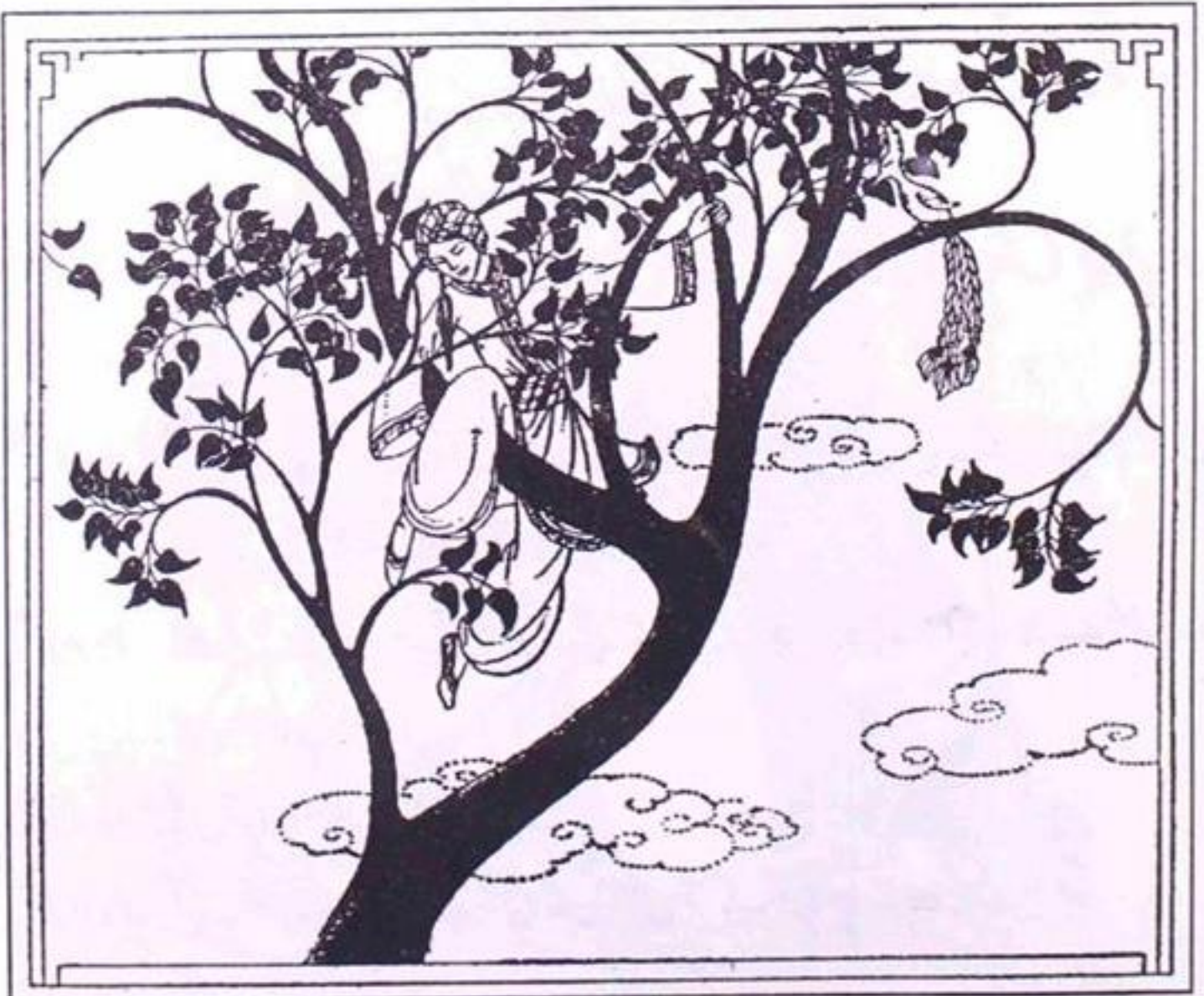
سین ۔۴

جائے وقوع : شکار گاہ

وقت : شام

کردار : قلندر شہزادہ، چچا زاد بھائی اور خدام

اس کے ساتھ ہی ہم دکھاتے ہیں۔ شکار گاہ میں خیمے نصب ہیں۔ دونوں شہزادے شکار گاہ سے لوٹ آتے ہیں۔ یہاں نزدیک میں ہی ایک میٹھے پانی کا چشمہ ہے۔

قلندر کا چچا زاد بھائی: تھوڑی دیر اس چشمے کے کنارے بیٹھ کر قدرت کے حسن سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

(دونوں شہزادے چل پڑتے ہیں)

شہزادہ ۔۱ : پیارے شہزادے رات اپنے پنکھ پھیلائے جا رہی ہے۔ دیکھتے دیکھتے ہم لوگ اندھیرے میں ڈوب جائیں گے۔ جنگل وحشی جانوروں سے بھرا پڑا ہے۔ وہاں جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔

شہزادہ ۲: خطروں سے کھیلنا زندگی ہے۔ (آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) کیا تم ڈر رہے ہو۔

شہزادہ ۱: قسم اس پیدا کرنے والے کی۔ ڈر مجھے چھو کر بھی نہیں گیا۔ میں اپنے ہاتھوں سے شیر کے جبڑے چیر سکتا ہوں۔

شہزادہ ۲: مجھے تم سے یہی امید تھی اسی لیے میں تمہیں جان بوجھ کر ایک بڑے خطرے میں ڈالنا چاہتا ہوں۔

شہزادہ ۱: میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔

شہزادہ ۲: ایک خطرناک راز ہے جس میں تمہیں شریک کرنا چاہتا ہوں۔

شہزادہ ۱: پہیلیاں بجھا کر وقت کیوں ضائع کرتے ہو میں تمہارا بھائی ہوں۔ جان پر کھیل جاؤں گا۔

شہزادہ ۲: مجھے پورا بھروسہ ہے — تم یہاں ٹھہر کر میرا انتظار کرو۔ میں ہوا کی طرح اڑ کر جاؤں گا۔ اور آندھی کی طرح واپس آؤں گا۔ پھر تم خود بخود سمجھ سکو گے۔ وہ خطرناک راز کیا ہے؟

تبدیلیِ منظر

سین۔۵

جائے وقوع : شکارگاہ

وقت : ڈھلتی شام

کردار : قلندر کا عم زاد، قلندر اور ایک عورت۔

گھوڑے کو ایڑ لگا کر چل پڑتا ہے۔

اور تھوڑی دیر بعد ایک حسین عورت کو گھوڑے پر بٹھائے وارد ہوتا ہے۔ حسینہ کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی ہے۔ وہ گھوڑے سے اتر کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑی ہو جاتی ہے۔ شہزادہ نمبر ا حیرت زدہ ہے اور جاننا چاہتا ہے کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ اس دوران اس کا چچا زاد بھائی شہزادہ نمبر ۲ پراسرار آواز میں کہتا ہے۔

''ناک کی سیدھ میں یہاں سے ٹھیک دس قدم کی دوری پر ایک ویران قبرستان ہے۔ تم اسے لے کر وہاں پہنچو میں ابھی آیا۔

(گھوڑے کو ایڑ لگا کر روانہ ہو جاتا ہے۔)

اس کے ساتھ منظر بدلتا ہے۔

سین ۔ ٦

جائے وقوع : شہر خموشاں

وقت : شام

کردار : ایک عورت، قلندر، شہزادہ اور اس کا چچا۔

حسینہ اور شہزادہ نمبر ا ویران قبرستان میں شہزادہ نمبر ۲ کے منتظر ہیں۔ پر اسرار ماحول میں درختوں کی شاخوں پر لٹکے ہوئے الوؤں کی چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اتنے میں گھوڑے کی ٹاپوں سے جنگل گونج اٹھتا ہے۔ چچا زاد بھائی یعنی شہزادہ نمبر ۲ گھوڑے سے چھلانگ لگا تا ہے۔ گھوڑے کی زین کے ساتھ ایک پھاوڑا لٹکا ہوا ہے۔ ایک مشک پانی اور ایک بوری چونے کی بھی زین کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ چچازاد بھائی گھوڑے سے اترتے ہی ایک مخصوص قبر کی طرف بڑھتا ہے۔ جو اندھیرے میں بھی چمک رہی ہے اور اس کا پتھر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے آواز دیتا ہے۔

''آؤ بھائی میری مدد کرو۔'' قلندر یعنی شہزادہ نمبر ا مدد کرتا ہے۔ کیمرہ ایک توے پر جا کر ٹھہر جاتا ہے جسے دونوں زور لگا کر ہٹاتے ہیں۔ ایک کھڑکی نظر آتی ہے۔ چچازاد بھائی پوری طاقت لگا کر اسے کھولتا ہے۔ کھڑکی کھلتے ہی ایک سیڑھی نظر آتی ہے۔

چچازاد بھائی: (حسینہ کو حکم دیتے ہوئے) سیڑھی سے نیچے اتر جاؤ تمہارے پیچھے پیچھے میں بھی آتا ہوں۔

(حسینہ پر جیسے جادو کا اثر ہے۔ وہ ایک بت کی طرح چلتے ہوئے سیڑھی سے قبر میں داخل ہوتی ہے۔)

(شہزادہ نمبر ا یعنی قلندر کی پیشانی سے پسینہ چھوٹ رہا ہے وہ استفسار کرنا چاہتا

ہے مگر اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دیتی۔)

چچازاد بھائی: (پراسرار آواز میں) جب میں بھی اندر داخل ہوجاؤں تو کھڑکی کو بند کر کے اس پر لوہے کا توا لگا دینا اور پھر پتھر رکھ کر اس پر چونا پھیر دینا تاکہ قبر پہلے کی طرح ہموار ہوجائے۔

شہزادہ ۱: لیکن مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ زندہ درگور ہونے کا راز کیا ہے؟

شہزادہ ۲: بھول جاؤ کہ تم نے ان دونوں آنکھوں سے کچھ دیکھا۔ لب سی لوگے اور کسی سے کچھ نہیں کہو گے۔ میں اب قبر میں داخل ہوتا ہوں۔ کوئی سوال کیے بغیر اس قبر کو پتھر سے ڈھانپ کر اس پر چونا پھیر دینا۔ اور اس راز کو راز رکھنا۔

(چار دنا چار شہزادہ نمبر ا اپنے چچازاد بھائی کے حکم کی پاسداری کرتا ہے۔)

سین ۔ ۷

جائے وقوع : شکار گاہ

وقت : صبح

کردار : قلندر، شہزادہ اور سپاہی۔

کیمرہ شکار گاہ کے ایک خیمے پر مرکوز ہوتا ہے۔

شہزادہ نمبر ۱ اپنی خواب گاہ میں سونے کی کوشش کرتا ہے۔ بار بار قبر کا منظر اسکی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ شکار کا بھنا ہوا گوشت قابوں میں ڈھیر ہے۔ وہ اسے چکھتا بھی نہیں اور پوری رات بے قراری اور پریشانی میں گزار دیتا ہے۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ وہ قبرستان کی طرف دوڑتا ہے۔ پورا قبرستان چھان مارتا ہے مگر اسے قبر نہیں ملتی۔ صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہوجاتی ہے۔ بے نیل و مرام وہ گھوڑے پر واپس لوٹتا ہے۔ ابھی جنگل کی حدود میں تھا کہ اسے چند گھوڑ سوار چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ یہ اس کی اپنی سلطنت کے سپاہی ہیں۔

ایک سپاہی: (گھبرائی ہوئی آواز میں) حضور بہت بری خبر ہے۔ آپ کے والد اور ہمارے بادشاہ کو وزیر نے قتل کر دیا اور تخت پر خود قابض ہوگیا۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو گرفتار کر کے اس کے روبرو پیش کریں اور ہماری کیا مجال کہ حکم سے سرتابی کریں۔

(شہزادہ گردن جھکا لیتا ہے۔)

سین۔۸

جائے وقوع : دربار

وقت : دن

کردار : یک چشم بادشاہ، قلندر اور درباری۔

نئے بادشاہ کا دربار تختِ طاؤس پر وزیر بیٹھا ہوا ہے۔ قلندر قیدی بنا زنجیروں سے جکڑا اُس کے رو برو کھڑا ہے۔ نئے بادشاہ کی ایک آنکھ پر کالی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

کانا بادشاہ: شہزادے، آج موقع ملا ہے کہ میں تم سے اپنے پرانے حساب چکا لوں۔ یاد ہے ایک مرتبہ شکار کھیلتے ہوئے تم نے مجھے اپنے تیر سے کانا کر دیا تھا۔ آج میری باری ہے۔ بس اشارے کی دیر ہے۔ جلاّد تمہاری آنکھ میں لوہے کی گرم سلاخ چبھو دے گا اور تم بھی میری طرح ایک آنکھ سے محروم ہو جاؤ گے۔

قلندر: (بھولے پن کے ساتھ) لیکن میں نے جان بوجھ کر تمہیں آنکھ سے محروم نہیں کیا تھا۔ یہ سراسر ظلم ہے۔ (جلاّد دھیرے دھیرے گرم سلاخ لیے شہزادے کی طرف بڑھتا ہے۔ وہ دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتا ہے اور پھر اس کی ایک آنکھ میں گرم سلاخ پھیر دی جاتی ہے۔ درد سے چیختا ہے۔ وزیر اور اس کے درباریوں کے قہقہوں کی آواز میں اس کی چیخ دب جاتی ہے۔

سین۔۹

جائے وقوع : گھنا جنگل

وقت : سہ پہر

کردار : شہزادہ، قلندر، جلاد۔

نئے بادشاہ کے حکم کے مطابق شہزادے کو بیابان جنگل میں پہنچایا جاتا ہے۔ شہزادے کے ہاتھ پیچھے سے بندھے ہوئے ہیں اور وہ جلاد کے بالمقابل کھڑا ہے۔اس کی حالت غیر ہے۔

جلاد: میں نے تمہارے باپ کا نمک کھایا ہے۔ میں تمہارا قتل کر کے نمک حرامی نہیں کرنا چاہتا۔ جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس ملک کی سرحد سے نکل جاؤ اور خبردار اگر جان کی اماں چاہتے ہو تو ادھر کا رخ کبھی نہ کرنا۔

سین۔۱۰

جائے وقوع : گھنا جنگل، گہری ندیاں

وقت : صبح سے شام تک

کردار : شہزادہ قلندر (اضطراب کی حالت میں ٹہلتے ہوئے)

ہم کیمرے کی مدد سے دِکھاتے ہیں کہ شہزادہ جنگلوں، پہاڑوں اور صحراؤں سے گزرتا ہوا اپنے چچا کے محل تک پہنچتا ہے۔ تھکا ماندہ اور خستہ حال۔ چچا نہایت محبت کے ساتھ اس کی غمگساری کرتا ہے۔ شہزادہ (قلندر) چچا کو پوری کہانی سناتا ہے۔ قلندر کے ہونٹ ہلتے رہتے ہیں اور پوری کہانی بیان ہو جاتی ہے۔ ہم پھر ماضی سے موجود کی طرف واپس آجاتے ہیں۔

سین۔۱۱

جائے وقوع : چچا کا محل

وقت : صبح

کردار : قلندر (شہزادہ) اور اس کا چچا کنیزوں اور مستعد سپاہیوں کے درمیان

چچا: (روتے ہوئے) غدار وزیر نے دولت اور حکومت کے لالچ میں میرے فرشتہ صفت بھائی کی جان لے لی۔ (وقفہ) اور ہاں بیٹا تم نے اپنے چچا زاد بھائی کا احوال تو بتلایا ہی نہیں۔ جو تمہارے ساتھ شکار کی مہم پر ساتھ گیا تھا۔

شہزادہ: (قلندر) چچا جان آپ کو روتے دیکھ کر میرا دل خون ہو رہا ہے۔ حالانکہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ جو کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے اسے کبھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔ لیکن مجبور ہوں آپ کی آہ وزاری دیکھی نہیں جاتی۔ خدا معاف کرنے والا ہے۔ چلئے میں آپ کو اپنے بھائی اور آپ کے 'لخت جگر' کے پاس لیے چلتا ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے ایک قبر کے راستے اندھی گپھا میں جاتے دیکھا ہے۔

چچا: (حیرت واستعجاب کے ساتھ) کیا کہہ رہے ہو فرزند!

شہزادہ: سچ عرض کر رہا ہوں چچا جان۔ داروغہ اصطبل کو حکم دیجئے۔ عربی نسل کے تیز رفتار گھوڑے فوراً حاضر کرے۔ وقت گنوانا درست نہیں۔

سین ۔۱۲

جائے وقوع : سبز رنگ کی جھاڑیوں سے گھرا ہوا قدیم قبرستان۔

وقت : شام

کردار : قلندر (شہزادہ) اور اس کا چچا۔

دونوں گھوڑوں پر سوار اس پرانے قبرستان میں داخل ہوتے ہیں۔ عصر کا وقت ہے۔ دونوں مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کرتے ہیں۔ چچا سلام پھیر کر دعا میں مصروف ہو جاتا ہے۔ شہزادہ قبر کی تلاش میں مصلیٰ سے اٹھ جاتا ہے۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے مطلوبہ قبر کا نشان مل جاتا ہے۔ بارگاہ خداوند میں بزرگ کی دعا قبول ہو گئی تھی۔ شہزادہ خوشی سے آواز دیتا ہے۔ دونوں مل کر قبر کا پتھر اٹھاتے ہیں اور سیڑھیوں کے ذریعہ اندر داخل ہوتے ہیں۔ اندر کا منظر دیکھ کر دونوں کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ چچا زاد بھائی اور لڑکی برہنہ حالت میں مردہ پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے جسم بالکل سیاہ ہو چکے ہیں اور سانپوں کا جوڑا بار بار ان کی پیشانیوں پر ڈنک مار رہا ہے۔

چچا بازو پکڑ کر شہزادے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور اپنا عمامہ ان کے برہنہ جسموں پر ڈال دیتا ہے۔ پاکیزہ عمامہ جیسے ہی ان کے جسموں پر پڑتا ہے۔ دونوں کوڑیالے سانپ پلٹ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ سامنے ہیرے زرو جواہر اور اشرفیوں کا ڈھیر ہے۔ جس پر پھن پھیلا کر دونوں سانپ بیٹھ جاتے ہیں۔

چچا: (گہری سانس بھرتے ہوئے شہزادے کو مخاطب کرتا ہے۔) زندگی ایک ایسا مایا جال ہے جسے سمجھنا معمولی انسان کے بس کی بات نہیں۔ پیارے فرزند حرص و طمع اور ہوس ناکی آدمی کو کھا جاتی ہے۔

شہزادہ: چچا جان یہ کیسا طلسم ہے۔ میری عقل حیران ہے۔ خدا کے لیے میری رہنمائی کیجئے۔

چچا: (تاسف بھرے لہجے میں) یہ لڑکی جسکی سیاہ فام لاش تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ جزائرالہند کے ایک نامی سوداگر کی بیٹی ہے، جو اپنے باپ کے ساتھ ہماری ریاست میں پناہ گزین تھی۔ میں اسے تمہارے نکاح میں لانا چاہتا تھا۔ تمہارے بھائی کی نیت خراب ہوگئی۔ یہ اسے ورغلا کر اس ویران قبرستان میں لے آیا۔ جس کے زیر زمین تم یہ محل اور اس کا دفینہ دیکھ رہے ہو۔ حرص و ہوس کا مارا یہاں جو بھی آئے گا۔ ان کوڑیالے سانپوں کے زہر کا شکار ہوگا۔ جو اس خزانے کے پہریدار ہیں اور یہاں داخل ہونے والے ہر شخص کو ڈس لیتے ہیں۔

شہزادہ: افسوس صد افسوس جو میرے بھائی نے عورت اور دولت کے لیے نیت خراب کی اور اس دردناک انجام کو پہنچا۔

چچا: فرزند! یہ دنیا جائے عبرت ہے۔ کب انسان کا دل کالا ہوجائے کوئی نہیں جانتا۔ تو اس راز کو راز رکھیو ورنہ مفت میں رسوائی ہوگی اور ہاتھ میں کچھ نہ آئے گا۔ میں نے تیرے بھائی کو بچپن میں یہ کہانی سنائی تھی اور عبرت ناک انجام بھی بتلا دیا تھا۔ پر وہ باز نہ آیا۔ لالچ نے غلبہ پایا۔ انجام سامنے ہے۔
(دونوں توبہ استغفار کرتے ہوئے قبر سے باہر نکلتے ہیں۔)

سین ۔۱۳

جائے وقوع : حسیناؤں کا عشرت کدہ

وقت : رات

کردار : تین قلندر، تین حسینائیں، خلیفہ ہارون رشید، وزیر اور دیگر۔

(ماضی سے حال میں آتے ہیں)

قلندر: دنیا کی فتنہ پروری۔ ہوس انگیزی اور فریب دہی دیکھ کر میرا دل اچاٹ ہو گیا۔ چچا کے لاکھ اصرار کرنے کے باوجود میں نے راج پاٹھ سے رخصت لی اور فقیروں کی ٹولی میں جا ملا کہ فقر و مستی میں گزارتا ہوں۔ نہ چوروں کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر۔ جہاں چھاؤں گھنی دیکھی دن کاٹا رات بسر کی۔ ملی تو کھالی ورنہ تیری میری حمالی۔ اپنی تو یہی ہے کہانی۔

ہائے کیا چیز ہے جوانی بھی
مہ رنگیں ہے سادہ پانی بھی

(سب لوگ داد دیتے ہیں۔)

حسینہ۳: تمہاری داستان عبرت انگیز ہے۔ تمہاری جان بخشی جاتی ہے۔ تم جا سکتے ہو۔
(دوسرے قلندر کی طرف رجوع ہوتے ہوئے)
''اب تم اپنا احوال بیان کرو۔''

قصہ حسن پرست قلندر کا

قلندر ۲: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے۔ جو بڑا مہربان اور بخشنے والا ہے۔ میرے والد کا وصال ہو چکا ہے۔ وہ اچھی جگہ ہیں اور میں بری جگہ۔ خدا مرحوم کی تربت کو عنبریں کرے۔ بڑے رئیس امیر و کبیر تھے۔ عالم فاضل علم ریاضی اور خطاطی میں ماہر و بے نظیر تھے۔ اس لیے مجھے بھی ان کی صحبت میں بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہو چلا تھا۔ دور دور سے اتالیق اور استاد میرے لیے بلائے گئے۔ اہل ایران و عرب سے فن سپہ گیری سیکھا۔ مجھ جیسا تلوار کا دھنی دور دور تک نہ تھا۔ مگر تقدیر کی مجبوری کہ قسمت کے آگے ایک نہیں چلتی۔ ہندوستان کے بادشاہ نے مجھے طلب کیا اور میں ضروری اسباب کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوا۔ وہاں پہنچا تو راستے میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔

سین۔۱۴

جائے وقوع : گھنے جنگل اور پہاڑوں سے گھری ہوئی شاہراہ

وقت : غروب آفتاب

کردار : قلندر نمبر۲ اس کے ہمراہی اور ٹھگ

تنگ پہاڑیوں سے گھری ہوئی ایک شاہراہ! اچانک گرد و غبار سے فضا پر اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔ مخالف سمت سے آتے ہوئے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بڑھتی جاتی ہے۔ پچاس سوار سامنے سے آتے ہیں اور زہر بجھے تیر چلاتے ہیں۔ وہ قزاق اور لٹیرے ہیں۔ قلندر اور اس کے آدمی مقابلہ کرتے ہیں۔ اور آخر میں پسپا ہوجاتے ہیں۔ خچروں پر لدا ہوا سامان لوٹ لیا جاتا ہے۔ قلندر زخمی ہوجاتا ہے۔ اس کی جب آنکھ کھلتی ہے تو وہ خود کو اپنے مردہ ساتھیوں کے درمیان پڑا ہوا پاتا ہے۔ اپنے حواس کو یکجا کرنے کے بعد چلنا شروع کرتا ہے۔ پہاڑوں، جنگلوں اور دریاؤں سے گزرتا ہوا بالآخر ایک شہر کی فصیل کے نزدیک جاکر گر پڑتا ہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر سو جاتا ہے۔ صبح آنکھ کھلتی ہے تو منہ پر پانی کے چھینٹے دے کر شہر کی فصیل کے اندر داخل ہوتا ہے۔

سین۔۱۵

جائے وقوع : بازار
وقت : صبح
کردار : درزی اور قلندر نمبر۲

یہاں ہم ایک پر رونق بازار دکھاتے ہیں۔ سوداگر پیشہ قلندر ایک درزی کی دوکان کے پاس جاکر رک جاتا ہے۔ درزی شکل وصورت سے بھلا مانس دکھائی دیتا ہے۔

قلندر۲ : السلام علیکم۔

درزی: (معنی خیز انداز میں) وعلیکم السلام۔ کیا بات ہے۔ چہرے بشرے سے بڑے لٹے لٹائے دکھائی پڑتے ہو۔ میں بھی تو جانوں کیا افتاد پڑی۔

قلندر: کیا عرض کروں۔ مسافر ہوں۔ تقدیر کا مارا ہوں۔ قزاقوں نے لوٹ لیا۔ سوداگر بچہ ہوں۔ تم نے امیر احمد سوداگر کا نام سنا ہوگا۔ اس کا بیٹا ہوں۔

درزی: ارے تم امیر احمد سوداگر کے بیٹے ہو۔ میں تمہارے والد کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کے مجھ پر کئی احسان ہیں۔ یہ دوکان بھی انہیں کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔ جب سے یہاں کا حاکم ان کا دشمن ہوا۔ انہوں نے یہاں آنا بند کردیا۔ ورنہ وہ یہاں جب بھی آتے تھے۔ غریب خانے کو رونق ضرور بخشتے تھے۔

قلندر: اچھا اتفاق ہے کہ آپ ہی سے اس شہر میں پہلے پہل ملاقات ہوئی۔ اللہ بڑا کارساز ہے۔

درزی: ہاں یہ بہت ہی اچھا ہوا۔ اب تم کسی سے نہ کہنا کہ تم کس کے لڑکے ہو۔ اگر حاکم تک خبر پہنچے گی تو وہ کہیں تمہارے باپ کا بدلہ لینے کے لیے تمہیں قید نہ کرلے۔

سین۔۱۶

جائے وقوع : درزی کا مکان

وقت : دوپہر

کردار : درزی اور اس کی شریکِ حیات۔

(اتنے میں باندی نے نشست خانے میں آکر اطلاع دی کہ —)

باندی: خاصہ تیار ہے اگر اجازت ہو تو دستر خوان پر چنوا دیا جائے۔

درزی: (سر اٹھا کر) ضرور! (پھر مہمان کی طرف رجوع ہوتے ہوئے) چلو بھئی کھانا حاضر ہے۔ باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔ (کھانے کے لیے دوسرے کمرے میں جاتے ہیں۔)

سلپچی میں ہاتھ دھونے کے بعد دونوں مل کر کھانا کھاتے ہیں۔

جیسے ہی دونوں کھانے سے فراغت کے بعد ہاتھ دھوتے ہیں۔ درزن باندی کے ہاتھ پیغام بھیجتی ہے۔ درزی زنان خانے میں جاتا ہے۔

درزن: (کمرے کے آخری سرے پر لیجاتے ہوئے) یہ کس آفت کے پرکالے کو مہمان بنا لائے، (تیز لہجہ میں)

خاصہ خوش خوراک معلوم ہوتا ہے۔ گن کر تندور کی دس روٹیاں کھائی ہیں۔ کام کا نہ کاج کا۔ ڈھائی سیر اناج کا۔

درزی: (سرگوشی میں) اللہ کی بندی ذرا صبر سے کام لو۔ ایک وقت کھلا کر بکھان کرنا واجب نہیں۔ کل سے جنگل جانا شروع کرے گا۔ روزانہ لکڑیاں کاٹ کر لائے گا۔ جتنی چاہو ایندھن بطور استعمال کرنا۔ جو بچیں گی وہ بازار بکنے کے لیے چلی جائیں گی۔ جو بھی رقم آئے گی وہ تمہاری ہوگی۔

درزن: (خوشی کا اظہار کرتے ہوئے) تمہیں تو بڑی دور کی سوجھی۔ آجکل خادم ملتے

کہاں ہیں۔ پاس کے چشمے سے پانی بھی بھر لایا کرے گا۔

درزی: (درزن کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے) اللہ کی بندی ذرا آہستہ بول۔ نوجوان نے سن لیا تو چمک جائے گا۔ اکٹھا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ دھیرے دھیرے خود راہ پر آجائے گا۔

(دونوں مسکراتے ہیں)

(تبدیلیِ منظر)
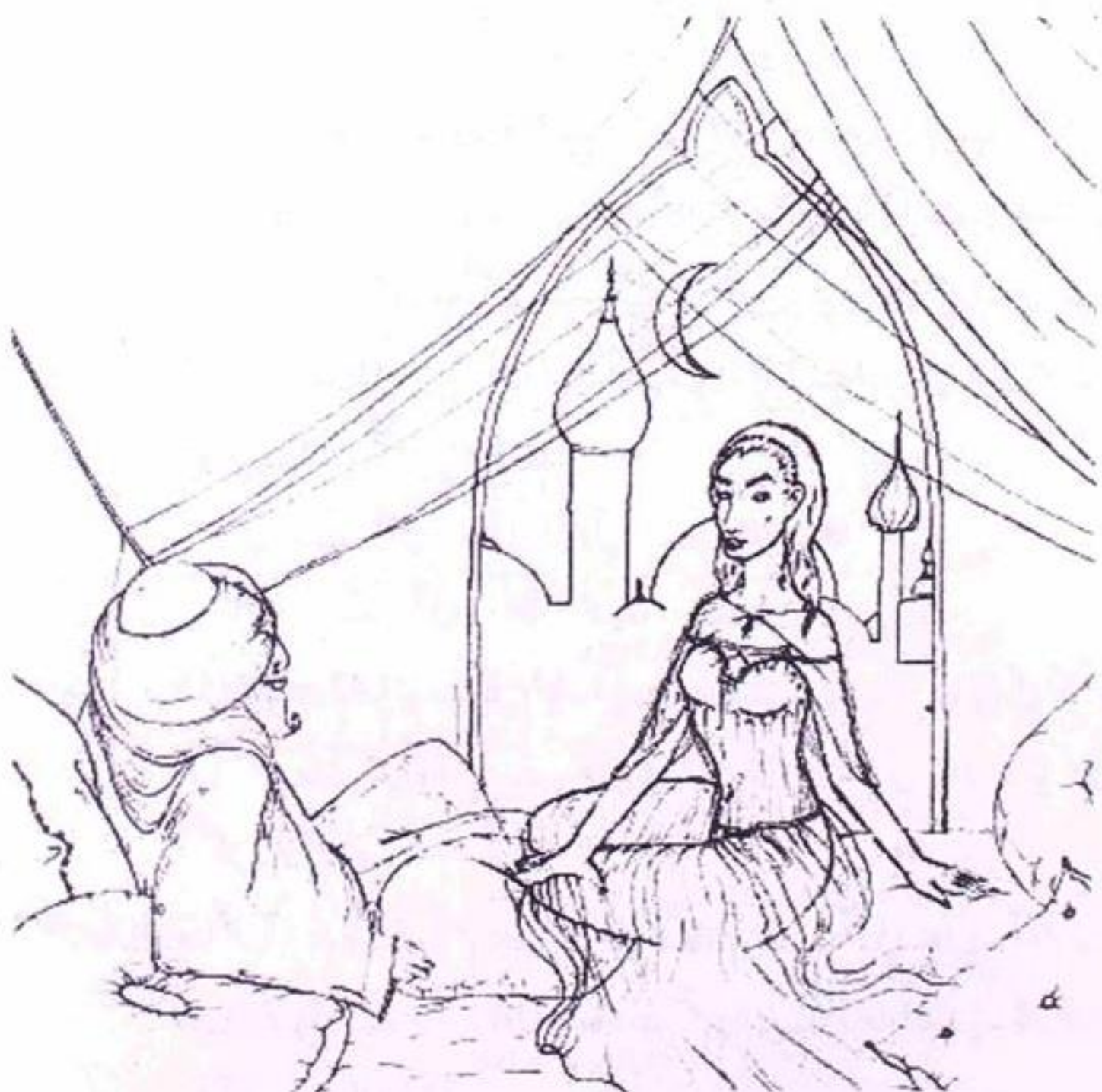
سین۔۱۷

جائے وقوع : گھنا جنگل

وقت : صبح تا شام

کردار : قلندر نمبر ۲، ایک حسینہ اور دیو

گھنے جنگل میں ہم لکڑ ھارے کو لکڑیاں کاٹتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ تین پہر کا وقت ہے۔ اس کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہے۔ ایک درخت کے موٹے تنے پر وہ کلہاڑی سے مسلسل وار کیے جا رہا ہے۔ جیسے ہی مٹی کا ایک تودہ درخت کے تنے سے جدا ہوتا ہے۔ ایک گہرا غار دکھائی پڑتا ہے۔ لکڑ ھارا اصل میں سوداگر بچہ ہے۔ تجسس سے مجبور ہو کر اندر جھانکتا ہے۔ ایک پری جمال حسینہ بال کھولے بیٹھی ہے۔ جیسے ہی نظریں چار ہوتی ہیں۔ وہ اسے اشارے سے بلاتی ہے۔ سوداگر بچہ غار میں کود پڑتا ہے اور پری جمال حسینہ کو دیکھ کر بے اختیار شعر پڑھتا ہے:

اس نے بھیگی ہوئی زلفوں سے جو جھٹکا پانی
جھوم کے آئی گھٹا ٹوٹ کے برسا پانی

حسینہ: بڑی جرأت زندانہ سے کام لیا۔ ایک اشارے میں سر دھڑ کی بازی لگا کر اس طلسم خانہ میں کود پڑے۔ کون ہو آدم زاد ہو، پری زاد ہو یا کوئی آتشیں مخلوق ہو۔

لکڑ ھارا (سوداگر) بندۂ بے دام ہوں۔ حسن کا غلام ہوں۔ آدمی ہوں۔ آدم زاد ہوں۔ گو پیشہ سے سوداگر ہوں۔ حالات ستم پیشہ نے لکڑ ھارا بنا دیا۔ پھر تقدیر نے آپ سے ملا دیا۔

حسینہ: نوجوان شوخ و شنگ ہو۔ تمہاری ادائیں قاتل ہیں۔ دل کو بھاتی ہیں۔ پر کیا

کہوں مصیبت کی ماری ہوں۔ وقت نے ستم توڑے۔ عین شب عروس کے دن اپنے شوہر سے جدا کردی گئی۔ ایک قوی ہیکل دیو مجھ پر ہزار جان سے عاشق ہوا اور مجھے لے اڑا۔ آج دس سال کے بعد آدم زاد کی صورت دیکھی تو آنکھوں میں طراوت اور دل میں ٹھنڈک ہوئی۔

لکڑھارا: جان پر کھیل جاؤں گا تمہیں دیو سے بچاؤں گا مجھے بتلا کہ وہ نابکار کب آتا ہے۔ ایک کمسن دوشیزہ کو ڈراتا ہے۔ ایک ہی وار میں سرتن سے جدا نہ کردوں تو سوداگر نام نہیں۔

حسینہ: (خوف و ہراس چہرے پر لاتے ہوئے) اونچی آواز میں نہ بولو۔ لفظوں کو پہلے تولو۔ سوچو تو کیا کہہ رہے ہو۔ چار دن بعد چاند کی پوری رات کو وہ ضرور آئے گا۔ اور اپنا بستر گرمائے گا۔ تم جان سے جاؤ گے۔ وقت ہے چلے جاؤ ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔

لکڑھارا: گیدڑ کی سو دن کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی جینا بہتر ہے۔ موت برحق ہے۔ لکھی ہے تو کوئی ٹال نہیں سکتا اور جینا ہے تو کوئی مار نہیں سکتا۔

حسینہ: غروب آفتاب کا وقت ہے۔ چاند بدلیوں میں آنکھ مچولی کھیل رہا ہے۔ تم جلدی سے برابر کی کوٹھری میں چھپ جاؤ۔ ورنہ دیو کے ہاتھوں ہلاک ہوگے اور تمہارا خون میری گردن پر ہوگا۔

لکڑھارا: کلہاڑی ہاتھ میں لے کر لہراتا ہے۔ دیو آتا ہے تو آنے دو۔ میں آج فیصلہ کر کے ہی جاؤں گا۔ انشاء اللہ تجھے دیو سے نجات دلاؤں گا۔

حسینہ: پھر کہتی ہوں خدا کے لیے دیوانہ نہ بن، جان ہے تو جہان ہے، کیوں جان کھوتا ہے؟

جن اور انسان کا سامنا کیا
مٹھی میں ہوا کا باندھنا کیا

(ایک آندھی سی آتی ہے۔ غبار کی صورت میں ایک دیو ہیکل سامنے آ

موجود ہوتا ہے۔)

دیو: (گہری گہری سانس لیتے ہوئے) اے آدم زاد تو جہاں کہیں بھی چھپا ہے سامنے آ۔ ورنہ میں اس حسینہ کے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔ (حسینہ کو بالوں سے پکڑ کر اٹھالیتا ہے۔)

قلندر: (سوداگر بچہ) ایک کمزور ناتوں عورت کو ڈھال بناتا ہے۔ بزدل! یہ دیکھ میں تیرے سامنے ہوں۔ قسم سامری کی تجھے جلا کر خاک نہ کردوں تو میرا نام سکندر نہیں۔

دیو چنگھاڑتا ہوا حملہ آور ہوتا ہے۔ سوداگر بچہ قلا بازی کھا کر اس کا وار خال دیتا ہے اور پلٹ کر کلہاڑی سے حملہ کرتا ہے۔ دیو وار بچاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے ہیں۔ دیو کے ہاتھ میں ایک گرز نما گولہ ہے جس پر تیز دھار کانٹے اُبھرے ہوئے ہیں۔ سوداگر بچہ کسی بھی حالت میں زیر نہیں ہوتا۔ دیو زاد اپنے منہ سے شعلے اگلنا شروع کرتا ہے۔ سوداگر لمبی زقند بھرتا ہے پھر بھی دیو کے منہ سے نکلنے والی چنگاری اس کی آنکھ میں پڑتی ہے سوداگر بچہ غار سے باہر کی طرف دوڑتا ہے اور پھر بے ہوش ہوجاتا ہے۔
سوداگر بچہ کو جب ہوش آتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ نہ درخت ہیں نہ غار ہے، نہ پری ہے، نہ دیو ہے، نہ غار ہے۔ بس ایک چٹیل میدان ہے۔

سین۔۱۸

جائے وقوع : حسینہ کا عشرت کدہ

وقت : رات

کردار : تین قلندر، خلیفہ ہارون رشید، اس کے وزیر و دیگر

قلندر۲: دریاؤں، صحراؤں اور جنگلوں کی بہت خاک چھانی۔ پری جمال حسینہ کو نہ ملنا تھا نہ ملی۔ غرض کہ اس کی یاد میں دنیا سے بیگانہ ہوا اور فقیروں کی ٹولی میں جا شامل ہوا۔ جہاں ان دونوں قلندروں سے ملاقات ہوئی اور پھر منزل پہ منزل طے کرتے ہوئے بغداد آ پہنچے۔ کہ خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی بپتا بیان کریں اور انصاف کی دہائی مانگیں۔ رات کا پہر تھا۔ شب گزارنے کے لیے پناہ گاہ تلاش کر رہے تھے کہ قسمت تمہارے دروازے پر لے آئی۔ ہم پر جو بیتی، وہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر سچ سچ بیان کیا۔ اب وعدے کے مطابق جان بخشی ہو کہ فقیر خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں حاضر ہو کر انصاف کی زنجیر ہلا سکیں کہ فریاد کا ایک یہی طریقہ ہے۔

حسینہ زبیدہ: ہماری طرف سے تمہیں رہائی کا پروانہ عطا ہوتا ہے۔ تم آزاد ہو۔ خانقاہ میں، دربار میں، بازار میں تم جہاں چاہو جا سکتے ہو، ہماری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں۔

قلندر۲ : اے حسینۂ عالم۔ جان کی امان پاؤں تو ایک عرض کروں۔

حسینہ : (تمکنت اور وقار کے ساتھ) اجازت ہے۔

قلندر۲: دل میں اشتیاق و آرزو ہے کہ اس محفل لطف و کرم کو الوداع کہنے سے پہلے اپنے تیسرے قلندر دوست کی سرگزشت بھی سنتا جاؤں اور رہتی دنیا تک آپ کے گن گاؤں۔

حسینہ زبیدہ: جاہم نے اجازت دی۔ رشک کر اپنی قسمت پر کہ ایسی سحر انگیز راتیں بار بار نہیں آتیں۔

(اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تیسرے قلندر کو اشارہ کرتی ہے۔)

''اب تمہاری باری ہے یہاں کس کو کس سے رستگاری ہے۔ داستان شروع ہو۔ ہنگام شب کا یہی تقاضہ ہے۔ جس نے وقت کو کھویا، وہ زندگی بھر رویا۔''

قصہ تیسرے قلندر اور چالیس حسیناؤں کا

قلندر۳: صاحبو اور بیبیو! کبھی میں بھی صاحب تخت و تاج تھا۔ میری سلطنت سمندر کے کنارے واقع تھی۔ بے شمار جزیروں پر میرا اقتدار تھا۔ پچاس جنگی جہاز ہر وقت سمندر کے پانیوں میں تعینات رہتے کہ چہار دانگ پھیلی ہوئی حکومت کے تحفظ اور دفاع کے لیے یہ لازم بھی تھا اور ضروری بھی۔ ایک دن جی میں سمائی کہ بحری جہاز میں سوار ہو کر جزیروں کی سیر کروں۔ سمندر کی منہ زور لہروں کا تماشہ دیکھوں۔ دُنیا کا نظارہ کروں۔ دو مہینے کے سفر کا سامان ساتھ لیا اور نکل پڑا کہ زندگی کو سمجھنے، جاننے بوجھنے کے لیے سفر از بس ضروری ہے۔

سین۔۱۹

جائے وقوع : ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر

وقت : رات

کردار : قلندر۳ اور اس کا ساتھی و دیگر۔

ہم دکھاتے ہیں جہاز کے بادبان کھول دیئے گئے ہیں۔ باد و باراں کا منظر ہے۔طوفانی لہروں کی زد پر جہاز ہچکولے لے رہا ہے۔ایک عجب افراتفری کا عالم ہے۔ زندگی اور موت کی کشمکش جاری ہے۔ بچنے کے امکانات معدوم ہوتے جارہے ہیں۔ دور ٹاپو نظر آتا ہے وہاں مقناطیسی پہاڑ ہے۔ جو جہاز کو اپنی جانب کھینچے جارہا ہے۔ جہاز پہاڑی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔طوفان کے بعد سمندر خاموش ہوتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ لکڑی کے ایک بڑے تختے پر قلندر نمبر۳ بیہوشی کی حالت میں بہتا چلا جارہا ہے۔ ہوش آنے تک وہ کنارے جا لگتا ہے۔ ناریل کے درختوں کی آڑ میں وہ اپنے کپڑے نچوڑتا ہے۔اور پھر ایک چٹان پر کھڑے ہو کر سمت کا اندازہ لگاتا ہے۔مشرق کی جانب اسے ایک تانبے کا محل نظر آتا ہے۔سورج نصف النہار پر ہے۔ اس کی کرنوں کی روشنی میں ایسا گمان ہوتا ہے۔ جیسے آگ کے شعلے دہک رہے ہوں۔قلندر تانبے کے محل کو حیرت سے دیکھتا ہے۔ ابھی اس کی حیرت دور نہیں ہوتی کہ وہ ایک بزرگ کو دس نوجوانوں کے ساتھ اپنی طرف آتا ہوا دیکھتا ہے۔سبھی نے لمبی لمبی قبائیں پہن رکھی ہیں۔

بزرگ پیر: السلام علیکم!

قلندر۳: وعلیکم السلام!

بزرگ پیر: یہاں کیسے آنا ہوا؟

قلندر: مصیبت کا مارا ہوں۔ قیمتی سامان اور جہاز سمندر میں ڈوب گئے ہیں۔ ہمراہی لاپتہ ہیں۔ مرے جئے ہوں گے۔ اللہ کو خبر ہے۔ میری جب آنکھ کھلی میں نے اپنے آپ کو اس جزیرہ میں پایا۔

(قلندر سب کو غور سے دیکھتا ہے اور اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان دسوں کی داہنی آنکھ ندارد ہے۔)

بزرگ: ٹھیک ہے مسافر تمہاری روداد سن لی۔ آؤ میرے ساتھ، اندر محل میں چلو۔

(قلندر نمبر ۳ سب کی ہم راہی میں محل میں داخل ہوتا ہے۔) محل کے عین وسط میں شیشم کی لکڑی کے دس تخت بچھے تھے۔ جن کے پائے چاندی کے تھے اور جن پر سبز رنگ کی خوشنما چادریں قرینے سے بچھی ہوئی تھیں اور ریشمی جھالروں والے گاؤ تکئے لگے ہوئے تھے۔)

سبھی لوگ ایک ایک تخت پر بیٹھ گئے۔ مرد پیر عین وسط میں ایک چوکی پر فروکش ہو جاتا ہے اور دوسری چوکی پر قلندر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہے۔

بزرگ پیر: تم میرے نزدیک یہاں آرام سے بیٹھو۔ مگر خبردار ہمارے حال کی ٹوہ میں نہ رہنا اور نہ ہماری ایک آنکھ ہونے کا سبب پوچھنا۔

خادمائیں انواع واقسام کے مشروبات پیش کرتی ہیں۔ موسم کے پھلوں کے علاوہ خشک میوے بھی قابوں میں سجے ہوئے ہیں۔ بوڑھا اپنی جگہ سے اٹھتا ہے، اندر جاتا ہے اور ایک سینی میں دس طاق دان لاتا ہے اور ان میں دس شمعیں روشن کر کے چادر سے ڈھانکتا ہے اور تخلیہ میں چلا جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد دسوں یک چشم طاق دانوں سے چادر ہٹاتے ہیں تو کوئلہ اور راکھ نظر آتی ہے جسے وہ سب اپنے چہروں پر ملتے ہیں اور چھاتی کوٹ کوٹ کر ماتم کرتے ہیں۔ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہیں اور کہتے ہیں۔

(سبھی یک چشم بہ یک آواز میں) ''ہمارے حرکات فضول اور افعال نامعقول تھے۔ عیش سے جی رہے تھے۔ خود کو پریشانی میں ڈالا۔ چین سے جی رہے

تھے مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔'' اس عمل کو وہ بار بار دوہراتے رہے اور ماتم کرتے رہے۔ قلندر سے جب برداشت نہ ہو سکا تو وہ بول اٹھا۔

قلندر ۳: حضرات اب ضبط کا یارا نہیں۔ مجھے یہ بتلائیں کہ آخر آپ سب لوگ ایک آنکھ سے کانے کیوں ہیں۔ عقل کام نہیں کرتی۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر دم بخود ہوا جاتا ہوں۔ لہذا مجبور ہو کر پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ لوگ منہ کالا کر کے سر پیٹتے ہیں۔ چھاتی کوٹتے ہیں بھلا کیوں؟ ایسی کیا خطا ہوئی آپ لوگوں سے جو اپنے آپ کو اس طرح سزا دے رہے ہیں۔

بزرگ پیر: اے عزیز! اے نوجوان۔ جس بات کو منع کیا تھا آخر تم نے وہی کیا۔

قلندر ۳: تم کو خدا کا واسطہ اس راز کو مجھے پر ظاہر کرو کہ میری حیرت اور اشتیاق بڑھتا جا رہا ہے۔ میں بغیر معلوم کیے رہ نہیں سکتا۔ صبر کا دامن چھوڑ چکا ہوں اور اب حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔

بزرگ پیر: ہم تو تجھے آفت سے بچاتے ہیں اور تو ہے کہ اپنا دشمن بنا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تو بھی اپنی داہنی آنکھ کھو بیٹھے اور ہماری طرح زار زار آنسو بہائے۔

قلندر ۳: آنکھ جاتی ہے تو جائے بلا سے۔ مگر اس راز سے پردہ اٹھائیں کہ میری تسلی ہو۔

بزرگ پیر: (ان نوجوانوں میں سے کسی ایک کو مخاطب کرتے ہوئے۔) جاؤ، ایک دنبہ لے کر آؤ اور اس کی کھال کھینچ کر ہمارے سامنے پیش کرو۔

(ایک نوجوان دنبہ لے کر آتا ہے۔ اس کی کھال کھینچتا ہے اور بزرگ پیر کے حکم کا انتظار کرتا ہے۔)

بزرگ پیر: اے نوجوان چھری لے کر دنبے کی کھال میں داخل ہو جاؤ۔ (نوجوان قلندر کچھ کہنا چاہتا ہے۔)

بزرگ پیر: سوال کرنے کی اجازت نہیں۔ جیسا کہا جا رہا ہے ویسا کرو۔

(نوجوان دنبے کی کھال میں چھری لیکر داخل ہوتا ہے۔)

بزرگ پیر: نوجوان سنبھل کر بیٹھو! ایک باز نما پرندہ دنبے کی کھال سمیت تجھے لے کر اڑ

جائے گا اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر رکھ کر رستہ لے گا۔ تب تو اس چھری سے چمڑے کو پھاڑ کر نکل جانا۔ آگے قدم بڑھانا۔ وہاں ایک سونے کا محل ہوگا۔ تیرا بھی وہاں، وہی حال ہوگا جو ہمارا ہوا۔

قلندر۳: میں راضی ہوں کہ جاننے کی خواہش ہے اور جانے بغیر چین ممکن نہیں۔

بزرگ پیر کے تالی بجاتے ہی ایک عجیب وغریب پرندہ نمودار ہوتا ہے اور دنبے کی کھال میں بند قلندر کو پنجوں سے پکڑ کر آسمان میں پرواز کرتا ہے۔

سین ۔ ۲۰

جائے وقوع : سنہری محل

وقت : شام

کردار : قلندر ۳ اور چالیس حسینائیں۔

اس کے ساتھ ہی ہم دکھاتے ہیں کہ قلندر دنبے کی کھال کو چھری سے چیرتے ہوئے باہر آتا ہے۔تو سامنے ہی اپنے سونے کا محل پاتا ہے۔محل کے چاروں طرف طرح طرح کے پھول مہک رہے ہیں۔ سرسبز و شاداب درخت، میووں سے لدے ہوئے ہیں۔ رنگین پھولوں کے درمیان سے پریوں کا جھرمٹ برآمد ہوتا ہے۔ جو سبز آسمانی نیلے، پیلے اور سرخ لباسوں میں ملبوس ہیں۔قلندر نمبر ۳ کو دیکھتے ہی پریاں آداب کرتی ہیں۔

ایک پری: ہم ایک مہینے سے آپ کے لیے بے قرار تھے۔

دوسری پری: اچھا ہوا آپ نے صورت دکھائی۔

تیسری پری: انتظار کرتے کرتے آنکھیں پتھرا گئیں۔

چوتھی پری: رات مایوسی میں کروٹیں بدلتے گزرتی تھی۔

پانچویں پری: دیر سے سہی جمال یار دیکھنا نصیب تو ہوا۔

(پانچوں پریاں مل کر خوش فعلیاں کرتی ہوئی قلندر ۳ کو حوض میں لے جا کر نہلاتی ہیں۔اسے حسین ترین لباس زیب تن کراتی ہیں پھر عمدہ عمدہ کھانے پیش کرتی ہیں۔ انگور کی شراب پلاتی ہیں۔ غرض کہ اسے مست و بیخود کر دیتی ہیں۔)

قلندر: تم جیسی بت طناز حسیناؤں، مہ وشاؤں کو دیکھ کر انسان سب کچھ بھول جاتا ہے۔اس کے ہوش وحواس گم ہوجاتے ہیں۔تمہاری ضیافت اور مہربانی دیکھ

کر سوچ رہا ہوں کہ میں شہزادہ معظم ہوں یا راجا اندر اور پھر راجا اندر کی بھی میرے مقابل کیا حقیقت۔ میں نہیں سمجھتا کہ اسے کبھی ایسی دلربا توبہ شکن، کافر ادا حسیناؤں کی صحبت نصیب ہوئی ہوگی۔

(سب پریاں مل کر ہنستی ہیں۔)

ایک پری: ذرہ نوازی ہے حضور کی ورنہ ہم سب تو آپ کی لونڈی ہیں۔

قلندر: (پریوں کا جھرمٹ دیکھ کر) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے نصیب میں ساری خدائی لکھ دی گئی ہے۔ چالیس پریوں کی صحبت بھلا کسی کو کہاں نصیب ہوئی ہوگی؟

ایک پری: شہزادے ہم سب رشتے میں بہنیں ہیں۔

دوسری پری: ہم ایک دوسرے پر نثار ہیں۔

تیسری پری: ہم ایک دوسرے پر واری نیاری ہیں۔ تم جسے چاہو پسند کر سکتے ہو۔ ہم میں سے کوئی کچھ خیال نہیں کرے گا۔

چوتھی پری: ہم میں حسد نام کو نہیں۔

(قلندر ایک حسینہ کا ہاتھ تھامتا ہے اور شب باشی کے لیے محل کے حجلہ عروسی میں چلا جاتا ہے۔ سب پریاں ہنستی ہیں۔)

اس طور سے قلندر وہاں مہینوں قیام کرتا ہے۔ داد عیش دیتا ہے۔

سین۔۲۱

جائے وقوع : سنہری محل

وقت : صبح

کردار : قلندر۳، پری صورت حسینائیں اور دیگر

پھر ایک دن سبھی پریاں قلندر کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ گئیں۔

ایک پری: پورا سال کیسے عیش میں کٹا؟

دوسری پری: دن عید تو شب شب برات تھی۔

تیسری پری: اندر سبھا کی صحبت بھی اس کے مقابلے میں مات تھی۔

چوتھی پری: آہ بہت یاد آؤ گے۔

پانچویں پری: اُف دل پر چوٹ لگے گی۔

قلندر۳: یہ یکا یک تم لوگوں کو کیا ہوگیا۔ آخر یہ ہجر و فراق کی باتیں کیوں؟ خدا کے لیے مجھے تشویش میں مبتلا نہ کرو۔

چھٹی پری: اے کاش تم سے ہماری ملاقات نہ ہوتی!

ساتویں پری: آپس میں کوئی محبت کی بات نہ ہوتی۔

آٹھویں پری: یہ جدائی کیوں نصیب میں آئی۔

نویں پری: عمر بھر کا رنج ساتھ میں لائی۔

قلندر: (پریشان ہوتے ہوئے) خدارا کچھ حال تو سناؤ۔ جدائی اور اشک باری کی وجہ تو بتاؤ۔

گیارہویں: اگر ہمارا کہنا مانو تو شائد جدائی سے بچ جاؤ۔ عمر بھر کا رنج نہ اٹھاؤ اور پھر عیش کے دن گزارو۔

بارہویں: اگر نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے اور پھر تمام عمر ملاقات نصیب نہ ہوگی۔

تیرہویں: ہمارا دل تو یہی گواہی دیتا ہے کہ تم ہماری بات نہ مانو گے۔

قلندر۳: اے حسینو! مہ جبینوں! اگر میری جان بھی جائے تو بھی میں تمہارا کہنا نہیں ٹالوں گا۔ مگر خدارا مجھے وجہ تو بتاؤ۔ کچھ تو سمجھاؤ۔

حور شمائل حسیناؤں میں سے ایک: ہم سب شہزادیاں ہیں۔ ہمارا قاعدہ ہے کہ سال بھر یہاں رہنا، جشن منانا، دل بہلانا اور پھر چالیس دنوں تک اپنے گھر جا کر رہنا۔ اب ہماری روانگی کا وقت آ پہنچا۔

قلندر۳: میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔

پری جمالوں میں سے ایک: نہیں نہیں تمہیں یہیں چھوڑنا ہوگا۔ اور جو کچھ ہم کہیں تمہیں اس پر چلنا ہوگا۔ ورنہ زک اٹھاؤ گے اور پریشان ہو جاؤ گے۔

قلندر۳: میں وہی کروں گا جو تم لوگ کہو گے۔

حسیناؤں میں سے ایک: ہم کوٹھوں اور کوٹھریوں کی کنجیاں تمہیں دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو کھولنا مگر خبردار اس کوٹھری کو نہ کھولنا۔ جس میں سونے کے دروازے ہیں۔ اگر اسے کھولا تو بہت پچھتاؤ گے۔

دوسری حسینہ: برباد ہو جاؤ گے۔

تیسری حسینہ: ہماری محبت سے محروم ہو جاؤ گے۔

ایک اور حسینہ: عمر بھر کے لیے داغ مفارقت دے جاؤ گے۔

قلندر نمبر۳: مجھے تمہاری بات ہر طرح سے منظور ہے۔ تم لوگوں کی بات معقول ہے گو تم لوگوں کی جدائی اور میری تنہائی کے چالیس دن چالیس سال سے کم نہیں۔ مگر میں تم لوگوں کا کہنا نہیں ٹالوں گا۔ کبھی اس کوٹھری کا رخ نہیں کروں گا۔ جس کا دروازہ سونے کا ہے۔

سین ۔۲۲

جائے وقوع : سنہری محل

وقت : رات

کردار : قلندر۳، اور جادوئی گھوڑا، دس یک چشم اور پیر بزرگ۔

(کیمرے کی آنکھ سے ہم دکھاتے ہیں ساری پریاں روتے دھوتے رخصت ہوتی ہیں۔ قلندر اکیلا اس محل میں رہ جاتا ہے۔ شام کو کنجیاں لے کر پہلا دروازہ کھولتا ہے۔ دروازہ کھولتے ہی خوبصورت چمن دکھائی پڑتا ہے۔)

کھا کھاکے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

اس طور سبھی کوٹھریوں میں انواع و اقسام کے عجائبات اور نوادرات دکھائی پڑتے ہیں۔ اس طور انتالیس دن گزر جاتے ہیں چالیسویں دن قلندر اس کوٹھری تک جاکر رک جاتا ہے۔ جس کے دروازے سونے کے ہیں۔ ہم قلندر کو خود کلامی کی کیفیت میں دکھاتے ہیں۔

قلندر۳: نہیں نہیں ان پری جمالوں کے آنے میں محض ایک دن رہ گیا ہے۔ یہ دن مجھے کسی طرح کاٹ لینا ہے۔

(واپس پلٹتا ہے۔ پھر سونے کے دروازے تک جاتا ہے۔ ایک انجانی کشش بار بار اسے چالیسویں کوٹھری کے دروازے تک لے جاتی ہے۔ دروازے تک جاتا ہے۔ پلٹتا ہے۔ اس کشمکش میں صبح کا پہلا پہر آجاتا ہے۔ جیسے اندھیرے سے روشنی گلے مل رہی ہو۔ اس گھڑی قلندر اپنے آپ کو روک نہیں پاتا اور دروازہ کھول دیتا ہے۔ ایک زبردست زعفرانی خوشبو کا جھونکا آتا ہے۔ اور شہزادہ بیہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اسے ہوش آتا ہے۔ تو

اسے ایک سفید براق گھوڑا نظر آتا ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی نے اسے سحر میں باندھ دیا ہو۔ وہ گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہے۔ مگر وہ جنبش تک نہیں کھاتا۔ قلندر اسے چابک مارتا ہے۔ اچانک گھوڑے کے پنکھ کھلتے ہیں اور وہ قلندر کو محل کی چھت پر لیجا کر پٹک دیتا ہے اور اس کی ایک آنکھ پر سم سے زک لگاتا ہے اور قلندر کانا ہو جاتا ہے۔ کانا قلندر آہ و زاری کرتا محل کی چھت سے نیچے آتا ہے۔ جہاں اسے دسوں کانے اور پیر بزرگ دکھائی پڑتے ہیں۔ کانا قلندر بزرگ پیر کے قدموں میں جا کر گر پڑتا ہے۔ بزرگ پیر یہ کہتے ہوئے اپنے قدم کھینچ لیتے ہیں۔ کاش تو خاموش رہتا اور ضد نہ کرتا۔ ایک آنکھ کھو کر تو نے اپنے سوال کا جواب پا لیا ہوگا۔ تو نے جیسا کیا، تیرے سامنے آیا۔ اب خیر چاہتا ہے تو خاموشی سے یہاں سے چلتا بن۔ ورنہ اور دِقت اُٹھائے گا۔ اور زندگی سے بھی جائے گا۔

(منظر تحلیل ہوتا ہے)

سین۔۲۳

جائے وقوع : حسیناؤں کا عشرت کدہ

وقت : رات

کردار : حسینائیں، تینوں قلندر اور دیگر۔

قلندر۳: غرض کہ حسیناؤں کے فراق میں مجنوں ہو گیا اور صحراؤں، دریاؤں اور جنگلوں کی خاک چھانتا ہوا یہاں تک پہنچا۔ داڑھی منڈوالی اور اپنی یہ گت بنالی۔ اب آپ کے قدموں میں ہوں۔ چھوڑ دیں یا مار دیں۔ زندگی رہی تو خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں حاضر ہو کر داد وفریاد کروں گا۔

جاں بخشی کے بعد تینوں قلندر اپنی اپنی راہ لیتے ہیں۔ خلیفہ ہارون رشید، ان کا وزیر اور دیگر رفقا بھی شناخت بتائے بغیر حسیناؤں سے اجازت لے کر رُخصت ہوتے ہیں۔

(فیڈ آؤٹ)

سین ۔۲۴

(فلیش بیک)

جائے وقوع : شاہی محل کا حجلہ عروسی

وقت : رات

کردار : شہزادہ شہریار، دنیازاد و دیگر۔

(کہانی کے اس موڑ تک آتے آتے صبح کے آثار نمودار ہونا شروع ہوتے ہیں۔)

شہرزاد: بادشاہ سلامت تیسرے قلندر کی کہانی اپنے انجام کو پہنچی۔

شہریار: تم نے ہمارے تجسس کو مزید جگا دیا۔ ابھی تو ان تینوں حسیناؤں کا قصہ باقی ہے۔

شہرزاد: صبح کاذب ہو رہی ہے۔ ان تین حسیناؤں کی کہانی کو پھر کبھی کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ بندی کو اجازت دیجئے۔ زندگی نے وفا کی تو آپ کو حسیناؤں کی داستان سے کہیں زیادہ دلچسپ سندباد جہازی کی ایسی کہانی سنائیں گے کہ آپ طلسم حیرت میں کھو جائیں گے۔

(فیڈ آؤٹ)

سند باد جہازی

محفل رقص و سرود کی

سین۔ ۱

جائے وقوع : شہریار کا محل

وقت : رات

شہرزاد کہانی شروع کرتی ہے۔ دنیا زاد اور شہریار ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے ہیں۔

شہرزاد: آج میں سند باد جہازی کی کہانی کا آغاز کرتی ہوں ایسی کہانی جو آپ نے

کبھی نہ سنی ہوگی۔ (بغداد میں خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں سند باد جہازی رہا کرتا تھا۔)

(فلیش بیک)

ایک عالیشان محل۔جھٹپٹے کا وقت ہے۔خوشبوؤں کا چھڑکاؤ ہو رہا ہے، جس سے فضا معطر ہوگئی ہے۔محفل سجنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بربط پر سُر ٹھیک کیے جا رہے ہیں۔ رقاصائیں تیار ہیں، فواروں سے پانی اڑ رہا ہے۔ جواہرات ہیرے، سونے چاندی اور سنگ مرمر کے نوادرات قرینے سے سجائے گئے ہیں، سند باد جہازی بے حد وجیہِ مردانہ حسن کا نمونہ مضبوط جسم کا مالک چند ممتاز شہر کی ہستیوں کے ساتھ بیٹھا ہے۔ انواع واقسام کے میوہ جات ہر طرح کے مشروبات صراحی جام رکھے ہیں۔پُر فضا و دلربا ماحول ہے، دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں۔غرضیکہ ایک امیر ترین شخص کے گھر رات کے وقت چند لوگوں کی ضیافت کا پر تکلف اہتمام کیا جا رہا ہے۔

کچھ دیر بعد جب عربی رقاصائیں بال کھولے رقص کرنے لگی ہیں اور مغنیہ گیت شروع کر چکی ہے، ایک حمال سر پر بوجھ اٹھائے دروازے پر سند باد کے نام کی تختی دیکھ کر ٹھٹک جاتا ہے۔ بوجھ نیچے رکھ دیدے پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ایک خادم سامان اٹھوا کر ریز گاری اسے تھماتا ہے۔

خادم: یہ لو پیسے اور چلتے بنو۔ یہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو؟

(حمال پیسے لے لیتا ہے مگر گھر سے باہر جانے کے بجائے ایک کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر اندر جھانکتا رہتا ہے، اتنے میں وہی خادم واپس کام ختم کر کے لوٹ آتا ہے۔

خادم: ارے تو ابھی تک گیا نہیں۔ تیری شامت تو نہیں آئی ہے؟

حمال باہر نکل جاتا ہے مگر دروازے کے قریب رک جاتا ہے۔

سین ۔۲

اُدھر سند باد یکا یک کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے ایک ساتھی سے کہتا ہے۔ ابو قاسم ابھی تک نہیں آئے یہ دعوت ان ہی کے اعزاز میں رکھی گئی ہے اور باہر دروازے تک آتا ہے۔ ادھر حمال دروازے کے قریب کھڑا خدا سے شکایت کرتا ہے جو سند باد جہازی سنتا ہے۔

حمال: اے خدا، سچ ہے تو جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت۔ سند باد جہازی کے نام کی تختی دروازے پر لگی ہے۔ میرا نام بھی سند باد ہے مگر میں کہاں ایک غریب حمال اور کہاں یہ شخص جس کا گھر دنیا بھر کی نعمتوں سے بھرا پڑا ہے۔ خوشبوؤں سے معطر ہے، نغموں سے پُر ہے اور یہاں سر چھپانے کی بھی جگہ میسر نہیں ہے۔ نہ ٹھور نہ ٹھکانہ۔ کم از کم میرے نام کی تو لاج رکھ لیتا۔

(گیت — خدا سے انصاف کی توقع — وغیرہ)

ابو قاسم کی آمد سے دروازے پر چہل پہل ہوتی ہے حمال چپ ہو جاتا ہے۔ سند باد ابو قاسم کو گلے لگاتا ہے۔ اندر چلنے کی دعوت دیتا ہے اور خادم سے کہتا ہے باہر جو شخص کھڑا ہے اسے اندر لے آؤ۔

خادم: (باہر جا کر) ارے کمبخت تو ابھی تک نہیں گیا۔ یقیناً آج تیری شامت آئی ہے چل اندر چل کہ ہمارے آقا نے تجھے طلب کیا ہے۔

سند باد حمال: میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ سڑک بادشاہ کی ہے میرا جہاں جی چاہے کھڑا رہ سکتا ہوں۔

خادم: کھڑے رہ سکتے ہو مگر تا کا جھانکی نہیں کر سکتے۔

سند باد حمال: کیا کسی چیز کو دیکھنا جرم ہے۔ کیا خوشبوؤں پر کسی کا اجارہ ہے۔ کیا کانوں میں پڑتے گیتوں سے لطف اندوز ہونا گناہ ہے؟ جاؤ میں نہیں آتا۔

خادم: چپ چاپ چلو۔ آقا کا یہی حکم ہے۔

سند باد: ہم غریبوں کے لیے کچھ نہ کرنا بھی مصیبت ہے۔ ہم دن بھر محنت کرتے ہیں۔ تکلیفیں سہتے ہیں۔ کام کے پیچھے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے شکاری کتے ہوں اور خرگوش کا پیچھا کر رہے ہوں مگر حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ کہیں نہ کہیں شیطان کچھ نہ کچھ گڑبڑ کر دیتا ہے۔

خادم: بک بک کیے جا رہے ہو۔ اب تیری آقا کے سامنے دیکھنا کیسی بولتی بند ہو جائے گی۔ چلو!

سند باد حمال: اگر نہیں چلا تو۔

خادم: لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ (سیٹی بجاتا ہے چار نوکر اور آجاتے ہیں۔)

سند باد: (ان کا ڈیل ڈول دیکھ کر) نہیں نہیں! اُنہیں تکلیف کی کیا ضرورت ہے۔ (خود سے) قہر درویش بر جان درویش چلو سند باد۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ اندر داخل ہوتے ہی ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ جادو نگاہ اور خوش جمال کنیزوں کو گھور رہا ہے۔

خادم: نگاہیں نیچی۔ یہ ایک بہت ہی با عزت و باثروت آدمی کا گھر ہے۔

خادم سلام کرتا ہے۔ سند باد حمال بھی سلام کرتا ہے۔

سند باد حمال: حضور مجھ سے ایسی کوئی حرکت نہیں ہوئی جس کی مجھے سزا ملے۔ مجھ بے قصور کو یہاں زبردستی کیوں لایا گیا ہے۔

سند باد جہازی: آؤ نیک بخت آج ہماری صحبت کا لطف اٹھاؤ۔ اس رنگین محفل سے جی شاد کرو۔ خدا نے تمہاری سن لی ہے۔

سند باد حمال: خدا ہم غریبوں کی بھی سنتا ہے (معنی خیز انداز میں مسکراتا ہے۔)

سند باد جہازی: اس کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھو۔

سند باد حمال: حضور میں ایک غریب حمال ہوں میری کیا بساط؟

سند باد جہازی: انسانیت کے ناطے تم ہمارے بھائی ہو۔ خدا جب چاہے جسے چاہے عزت بخش سکتا ہے۔ صرف ہمت و استقلال اور صبر چاہئے۔

(تالی بجاتا ہے۔ چار حسینائیں حاضر ہوتی ہیں۔)

سند باد جہازی: ہمارے دوست کو اس محفل کے شایان شان سجا بنا کر لے آئیں۔

(سند باد حمال سے) جاؤ بھائی کہ ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

(فیڈ آوٹ)

سین ۔۳

کیمرہ بتاتا ہے حوض میں کس طرح سند باد حمال کو نہلایا جاتا ہے۔ پھر کس طرح تعظیم و تکریم کے ساتھ اسے دوبارہ سند باد جہازی کی محفل میں پہنچایا جاتا ہے۔ سند باد حمال بھی ایک خوبرو گبرو جوان نظر آنے لگتا ہے۔ دیگر مہمان تعجب کرتے ہیں مگر مہمان نوازی کے آداب برقرار رکھتے ہیں اور صاحب خانہ سے کوئی سوال نہیں کرتے۔

مہمان رخصت ہوتے ہیں سند باد جہازی، سند باد حمال کو روک لیتا ہے ایک تھیلی اشرفیوں کی اسے دیتا ہے اور کہتا ہے۔

سند باد جہازی: سند باد تم جانتے ہو ہم نے تمہیں کیوں بلایا؟

سند باد حمال: حضور آپ کو میرا نام کیسے پتہ چلا؟

سند باد جہازی: ہمارے گھر کے باہر کوئی ہمارا ہم نام خدا سے شکوہ کرے اور ہم بہرے بن جائیں یہ کیسے ممکن ہے؟ تمہیں یہاں بلانے کا ایک خاص مقصد ہے۔

سند باد حمال: میں خود متعجب ہوں کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا۔ دن بھر محنت کرنے کے بعد خستہ حالی سے اور پریشانی کی وجہ سے چند نازیبا کلمات منہ سے نکل گئے جن کے لیے اب میں شرمندہ ہوں۔

سند باد جہازی: خدا نے تمہارے برے دن دور کر دیئے ہم تمہیں اپنی کہانی سنانا چاہتے ہیں۔ آج ہمارے پاس دولت ہے، شہرت ہے، عزت ہے مگر یہ سب کچھ ہم نے بہت سختیاں اور صعوبتیں جھیل کر حاصل کیا ہے۔ یہ بے شمار دولت یونہی کسی کے پاس نہیں چلی آتی۔ اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلنا پڑتا ہے۔ سفر ہمیشہ وسیلہ ظفر ہے۔ میں نے کتنے سفر کیے اور کیا کیا ہوا۔ کیسی کیسی دنیا دیکھی اس کی کہانی تمہیں سناتا ہوں تاکہ تم بھی میرے

راستے پر چلو اور اپنے لیے دنیا میں مقام پیدا کرو۔
میں ایک دولت مند گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ میرے والد بھی سوداگر تھے اور ان کے پاس بھی اچھی خاصی دولت تھی۔ مگر ان کے مرنے کے بعد جب سب کچھ میرے ہاتھ لگ گیا تو لوگوں نے میری فراخدلی اور سادہ لوحی کی وجہ سے میری دولت پر خود قابض ہو جانے کے لیے مجھے گمراہ کرنے کی کوشش کی آخر کہ مجھے ہوش آیا، ہوا یوں کہ میرا ایک شناسا تھا، جس پر میں پورا بھروسہ کرتا تھا۔

(فلیش بیک)

سند باد کے والد کا مکان، شام کا وقت، مصاحب تین بھاڑے کے ٹٹوؤں سے باتیں کر رہا ہے اور انہیں سمجھا رہا ہے کہ سند باد سے کس طرح روپے اینٹھ کر اس کے گھر پہنچا دیئے جائیں۔

مصاحب: پیسے دلانے کا ذمہ میرا تم اپنی اپنی دو دو سو اشرفیاں لے کر باقی ماندہ میرے گھر پہنچا آنا۔

پہلا: ہمیں آپ جہاں کہیں دے آئیں گے بس ہمارے پیسے ہمیں ملنا چاہئے۔

مصاحب: وہ تو تم خود ہی لے لینا۔

دوسرا: آپ کہیں تو آپ کی نورِ نظر اشرفی خانم کے یہاں لے آئیں۔

مصاحب: نہیں جیسا کہتا ہوں ویسا کرو۔ آجکل سند باد کا وہاں بھی آنا جانا ہو گیا ہے کہیں وہ لگائی بجھائی نہ کر دے۔

تیسرا: جیسا کہتے ہیں ویسا کرو۔ ہمیں اپنے حصے سے کام ہے مگر جناب آپ ہمیں بہت کم دے رہے ہیں۔

مصاحب: ابھی ایسے بہت پیسے ملیں گے گھبراؤ نہیں۔ آہستہ آہستہ حصہ بھی بڑا ہوتا جائے گا۔ (اتنے میں سند باد شراب کا پیالہ لیے اترتا ہے۔)

مصاحب سلام کرتا ہے باقی کے تینوں بھی سلام کرتے ہیں۔

سند باد: یہ لوگ کون ہیں اور ہمارے پاس کس کام سے آئے ہیں؟ کسی نے ہمیں خبر نہیں کی۔

مصاحب: حضور سوچا آپ آرام فرما رہے ہوں گے۔ یہ لوگ آپ کے والد مرحوم جنت مکانی کے نام پر مسجد بنوانا چاہتے ہیں۔

سند باد جہازی: ضرور، کتنا پیسہ چاہئے، انہیں دیدو۔

مصاحب: حضور پانچ سو اشرفیاں فی الحال دے دیجئے۔

سند باد جہازی: (تجوری کی چابی دیتا ہے) نکال کر دے دو۔ ابو جمال۔

مصاحب جلدی سے اشرفیاں دیتا ہے اور اشارہ کرتا ہے۔ وہ تینوں نکل جاتے ہیں۔

دو آدمی اور داخل ہوتے ہیں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مصاحب کو دیکھتے ہیں۔ پھر اشارے پر سند باد جہازی کو سات سلام کرتے ہیں۔

سند باد: تشریف رکھئے، فرمائیے میں آپ لوگوں کے لیے کیا کرسکتا ہوں۔

مصاحب: حضور آپ کے والد ماجد جنتی کی ایسی قبر بنانا چاہتے ہیں کہ رہتی دنیا تک قائم رہے۔

سند باد: جیسی تمہاری مرضی ہو ابو جمال ایسا کرو، خزانے سے پچیس ہزار اشرفیاں نکال لو بار بار ہم سے اجازت نہ لینا پڑے ہمیں تم پر پورا بھروسہ ہے۔

مصاحب جھٹ اشرفیاں گن کر نکال لیتا ہے اور پانچ ہزار اشرفیاں ان لوگوں کو تھما دیتا ہے۔ ساتھ ہی قبر کیسی بنی چاہئے، سمجھاتا ہے۔

مصاحب: سنگ مرمر چاہے چین سے یا ہندوستان سے منگوانا پڑے مگر کوئی کمی نہ ہو۔

دونوں ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور اشرفیاں لے کر کھسک جاتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ بھی مصاحب کے آدمی تھے۔

(تبدیلیٔ منظر)

سین ۔۴

وقت : تیسرا پہر

جائے وقوع : سندباد کا محل

کردار : سندباد، مصاحب اور دیگر۔

مصاحب: حضور آپ سلامت رہیں ہزاروں سال، اور ہر سال کے دن ہوں پچاس ہزار ''سالگرہ مبارک ہو۔''
لیکن خزانہ خالی ہو چکا ہے آج جو جشن منایا جائے گا اس کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے۔

سند باد جہازی: پیسہ تو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ والد ماجد کے زمانے میں تو ایسی بات کبھی سننے میں نہیں آئی۔

مصاحب: حضور میرا نام بدنام نہ کریں۔ میں نے تو وہی کیا جو آپ چاہتے تھے۔ ایک پیسہ بغیر آپ کی مرضی کے چھوا بھی نہیں۔

سند باد: نعوذ باللہ ہم کیوں ایسا سوچتے مگر اب کیا کیا جائے؟

مصاحب: محل کی بات باہر گئی تو ہونٹوں نکلی، کوٹھوں چڑھی والی بات ہو جائے گی۔

سند باد جہازی: پھر کیا کیا جائے ابو جمال آپ ہی کوئی حل تلاش کریں۔

مصاحب: حضور نوادرات سے گھر بھرا ہوا ہے۔ ایک آج بیچ ڈالیں۔ آپ خود سوداگر ہیں کل سفر پر نکلیں۔ دس اور آجائیں گے۔

سند باد جہازی: کیا بیچا جائے اور کس کو بیچا جائے کہ ان چیزوں کو خریدنے والا بھی ان کی قدر و قیمت کو جانتا ہو۔

مصاحب: فی الحال تو آپ اس طلسمی طوطے کو مع پنجرے کے بیچ دیں۔

سند باد جہازی: نہیں ابو جمال یہ تو والد مرحوم کا پسندیدہ پرندہ تھا اور پھر یہ مستقبل کی پیشن

گوئی کرتا ہے اسکا پنجرہ تو ابا جانی ہند سے لائے تھے۔اس پر بدخشاں کے لعل جڑے ہیں۔

مصاحب: حضور سعد بن خالق مجھ سے کہہ رہے تھے کہ وہ ایسا طوطا چاہتے ہیں۔ میں ان سے کہہ دوں گا کہ یہ دوسرا ہے، دام بھی خوب مل جائیں گے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔

سند باد: سعد بن خالق تو ہمارے والد صاحب کے مخالفین میں سے ہیں ہم اپنی چیز انہیں کیسے بیچ سکتے ہیں؟

مصاحب: حضور مہمان بلائے جا چکے ہیں رقاصائیں آ رہی ہوں گی دوسری تیاریاں ہیں۔صرف رقم کا انتظام ہونا باقی ہے۔ آخر ہوگا کیا؟ فوراً فوراً سودا کرنا بھی تو مشکل ہے اچھا گاہک بھی تو ملنا چاہئے۔ مصاحب کے ایک اشارے پر تین حسینائیں اندر داخل ہوتی ہیں اور سند باد کو گھیر لیتی ہیں۔ بناوٹی محبت جتاتی ہیں اور لگاوٹ کی باتیں کرتی ہیں۔

ایک: حضور سالگرہ مبارک ہو آج تو منہ مانگا تحفہ لوں گی۔

دوسری: مجھے تو حضور نے 5 ہزار اشرفیوں کا وعدہ پہلے ہی کر رکھا ہے۔ آج مایوس مت کیجئے گا کہ آج کا دن مبارک ہے۔

تیسری: آج تو میں ایسا رقص کروں گی کہ حضور خود کہیں گے۔ مانگ، تجھے کیا چاہئے؟

مصاحب پنجرہ اور طوطا اٹھا لیتا ہے۔تب طوطا بولتا ہے۔

یومِ وفات کا دن یومِ ولادت سے بہتر ہے۔

سگِ زندہ سگِ مردہ سے بدرجہا بہتر ہے۔

قیصر کو قصرِ معلیٰ پر فوقیت حاصل ہے۔

اے سند باد سفر کر کہ سفر وسیلہ ظفر ہے۔

سند باد طوطے کا پنجرہ مصاحب سے لے لیتا ہے۔

سند باد جہازی: رُک جاؤ ابو جمال کہ آج ہماری آنکھیں اس طوطے نے کھولیں۔ ہم

بے جا دکھاوے کے لیے اپنے والد کی جمع کردہ نادر اشیاء ہرگز نہیں ہاتھ سے
جانے دیں گے۔

مصاحب: تو حضور آج کے جشن کا کیا ہوگا؟

سند باد: آج کا جشن بہت دھوم دھام سے منایا جائے گا کہ کل ہم سفر کے لیے نکل
پڑیں گے۔ والد مرحوم نے بتایا تھا کہ ان کے سرہانے اشرفیوں کا ڈھیر رکھا
ہے۔ آؤ وہی نکال لیتے ہیں اور تم جا کر ہمارے سفر کی تیاریاں کرو۔

(تبدیلیِ منظر)

سفر وسیلۂ ظفر

سین ۔ ا
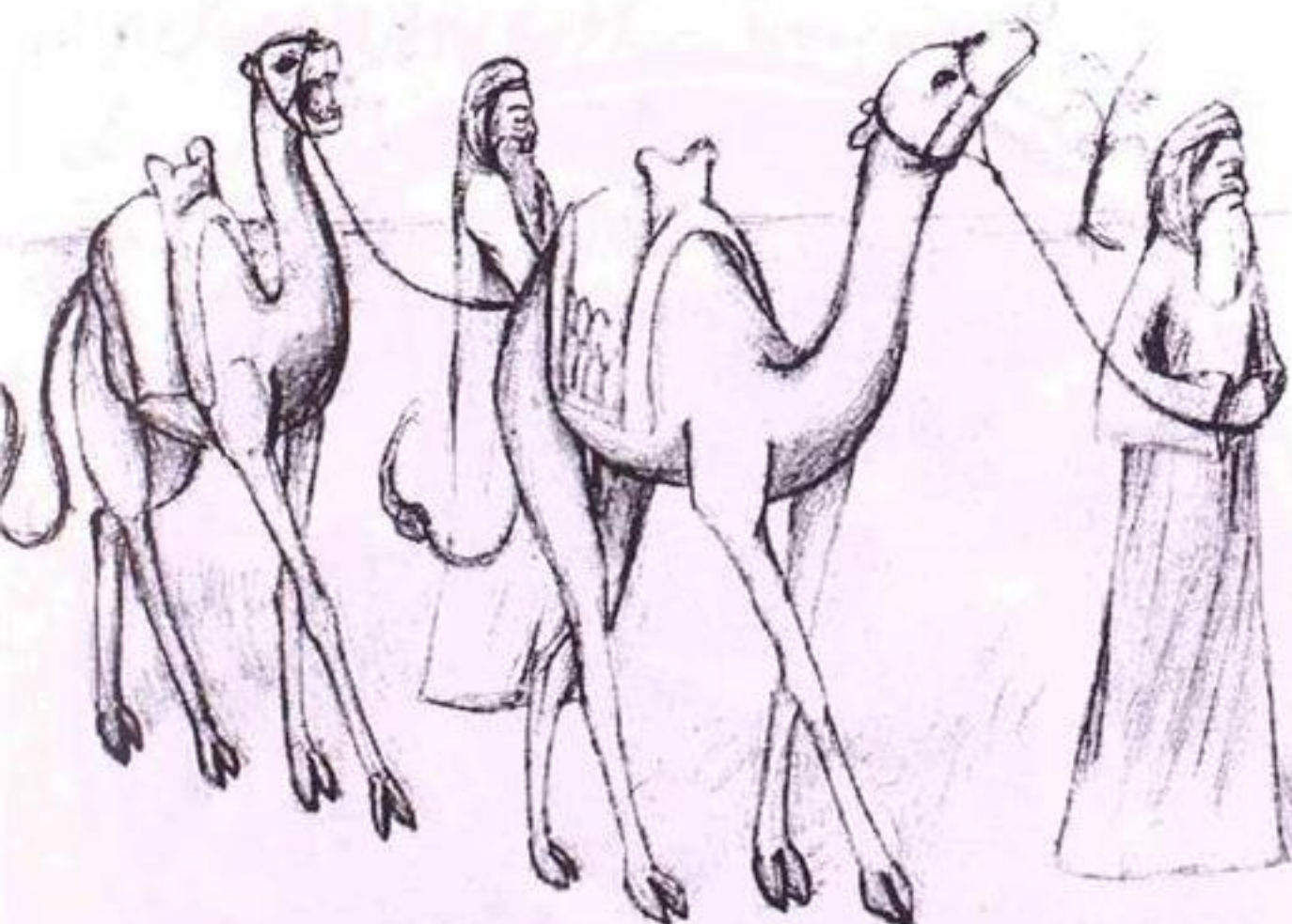
سند باد دوسرے سوداگروں کے ہمراہ ہے جہاز ایک جزیرے پر لنگر انداز ہوتا ہے۔ اندھیرا ہونے لگتا ہے۔ آگ جلا کر لوگ الاؤ کو ہوا دے رہے ہیں کچھ لوگ بٹیر بازی اور عقاب اڑا کر بازی لگا رہے ہیں۔ کہیں کھانا پکایا جا رہا

ہے۔ یکا یک یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے زلزلہ آ گیا ہو بھگدڑ مچتی ہے۔

ناخدا: (بھونپو لگا کر) سنو سنو بھائیوں ہم جسے جزیرہ سمجھے دراصل یہ ایک بڑی مچھلی ہے۔ اس کی پیٹھ پر ریت جمع ہو گئی ہے جب ہم لوگوں نے آگ جلائی تو وہ بے چین ہو گئی اب پلٹنے کو ہے جلد از جلد اپنی جان بچا کر بھاگو۔

کچھ دوڑ کر جہاز پر بھاگ جاتے ہیں کچھ غرقاب ہو جاتے ہیں۔ سند باد کو تیرتے ہوئے ایک تختہ ہاتھ لگ جاتا ہے وہ اس پر سوار ہو جاتا ہے۔

مچھلی کروٹ لیتی ہے کہ سمندر کا پانی اتھل پتھل ہو جاتا ہے اور سند باد مچھلی اور جہاز سے بہت دور ہو جاتا ہے اور حسرت سے جہاز کو دیکھتا ہے۔ سند باد جہازی بہتا رہتا ہے بھوکا پیاسا آخر ایک جنگلی شاخ اس کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ لپک کر اس پر جھول جاتا ہے۔ درخت پر چڑھ کر پھل کھاتا ہے اور گھوڑے بیچ کر سو جاتا ہے۔

چڑیوں کی چہچہاہٹ سے وقت فجر وہ اٹھتا ہے اور کھڑے ہو کر دیکھتا ہے تو چاروں طرف گھنا جنگل ہے چشمے بہہ رہے ہیں۔ سند باد پانی پیتا ہے، جنگلی پھل کھاتا ہے اور اللہ کا نام لے کر ایک سمت چلا جاتا ہے۔ اسے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ دیکھتا ہے ایک سوار گھوڑا دوڑائے چلا آ رہا ہے پیچھے تین گھوڑے اور بھی ہیں۔ سند باد کو دیکھ کر گھوڑ سوار کلاہ کی جھالر سے اپنا منہ ڈھانک لیتا ہے اور گھوڑے کی لگام کھینچتا ہے۔

گھوڑ سوار: آپ پر کیا اُفتاد آن پڑی جو اس جنگل بیابان میں قیام کیا۔

سند باد: اے نقاب پوش پہلے یہ بتاؤ کہ اس جنگل بیابان میں یوں کیوں گھوڑے دوڑا رہے ہو اور یہ کیا کہ ہاتھ زنانے پیر زنانے اور کپڑے ہیں مردانے۔

گھوڑ سوار ایک لات سند باد کی پیٹھ پر مارتا ہے وہ دور جا پڑتا ہے۔

سند باد: کیا یہاں کا یہی دستور ہے کہ غریب الوطن مسافروں سے اجنبیوں سے ایسا ناروا سلوک کریں۔

گھوڑ سوار: ہرگز نہیں یہاں کے لوگ مہمان نوازی کے لیے مشہور ہیں، اجنبیوں کو خدا دوست سمجھا جاتا ہے مگر ہم نہیں چاہتے کہ کوئی ہماری ذاتی زندگی میں جھانکنے کی کوشش کرے۔

سند باد: نہیں کریں گے ہمارا نام سند باد ہے۔ ہم ایک سوداگر ہیں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے ہیں۔ ایک دو روز میں راستہ دریافت کر کے چلے جائیں گے۔

گھوڑ سوار: بھوکے معلوم ہوتے ہیں (ساتھ لایا کھانا اور صراحی سے پانی پیش کرتا ہے۔) سند باد سیر ہو کر کھاتا ہے۔

سند باد: آپ نے یہ تو بتایا نہیں کہ یہاں کیا کر رہے ہیں۔

گھوڑ سوار: میرا باپ گھوڑوں کا بیوپاری ہے۔ یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں مگر نیا بادشاہ اور اس کے حواری رعایا پر ظلم کر رہے ہیں۔ میرے والد کو یہ کام سونپا گیا ہے کہ وہ بادشاہ کو سو گھوڑے دس دنوں کے اندر اندر مہیا کرے۔ ان کی طبیعت ناساز ہے اس وجہ سے آج میں ہی اس کام پر آنکلا ہوں۔

سند باد: گھوڑے کیسے پکڑیں گے آپ؟

گھوڑ سوار: ان گھوڑوں کی للک سے اور گھوڑے بھی جمع ہو جائیں گے پھر رسی پھینک کر انہیں زیر کرنا ہوگا جو کہ ایک مشکل ترین کام ہے۔

سند باد: پھر تم اکیلے کیسے کر لو گے۔

گھوڑ سوار: کرنا ہی پڑے گا کہ اور کوئی چارہ نہیں۔

سند باد: کیا میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔

گھوڑ سوار: آپ مہمان ہیں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں آپ کی مرضی ہو تو ضرور کریں ورنہ آرام کریں دیکھتے ہیں۔ ہمارا تو یہ کام ہے۔ ہم بچپن سے اپنے والد کو گھوڑے پکڑتے دیکھتے آئے ہیں۔

گھوڑے پکڑنا بڑی خوبصورتی سے کیمرے کی مدد سے بتایا جاتا ہے سند باد بھی اس نقاب پوش کی مدد کرتا ہے۔

دن میں ۶ رگھوڑے پکڑے جاتے ہیں۔ دن کے اختتام پر وہ نقاب پوش سند باد کو گھر چلنے کی دعوت دیتا ہے اور سند باد اسے قبول کر لیتا ہے دونوں مع گھوڑوں کے اس کے گھر پہنچتے ہیں اور لکڑی کا بنا ہوا مکان نظر آتا ہے جس پر کائی جمی ہوئی ہے۔ جنگلی گھاس سے عمارت ڈھکی ہوئی ہے اور ناشپاتی و سیب کے درخت چاروں طرف ضرور ہیں۔ بیچ میں گھر ہے۔ گھر کیا ہے اچھا خاصہ اصطبل ہے۔

سین ۔۲

ناشپاتی اور سیب کے درختوں میں گھرے اس گھر میں دونوں (سند باد اور گھوڑ سوار) مع گھوڑوں کے نظر آتے ہیں۔ ایک بوڑھا جو شاید بیمار ہے۔ آہٹ پا کر مڑ کر دیکھتا ہے۔

بوڑھا: سلطانہ بیٹا بہت دیر لگا دی۔ (سند باد کو غور سے دیکھتا ہے۔)

سند باد: بابا، ہم سند باد ہیں۔ بغداد کے باسی ہیں پیشہ سوداگری ہے اپنوں سے بچھڑ گئے ہیں مسافر ہیں راستہ معلوم ہوتے ہی چلے جائیں گے۔

بوڑھا: خدا خوش رکھے بہت بلند اقبال معلوم ہوتے ہو۔ ان بوڑھی آنکھوں سے کچھ نہیں چھپا ہے۔

سند باد جہازی: بابا میں اگر آپ کیلئے کچھ کرسکوں تو بے دریغ کہیئے گا۔

بوڑھا: تم ہمارے لیے یقیناً رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔

گھوڑسوار: بابا آپ کو حکیم صاحب نے آرام کرنے کے لیے کہا تھا آپ کیوں بستر سے اُٹھے؟

بوڑھا: بیٹا سلطان الصبا...... گھوڑا آج صبح سے کچھ بیمار ہے۔ میں اسے دیکھنے ہی اٹھا تھا۔ اب جاؤ تم کپڑے بدلو۔ کھانا تیار کرو اور اس شخص کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ رکھ چھوڑو۔

سند باد جہازی: بابا مجھے مہمان نہیں اپنا سمجھو۔ آج میں نے گھوڑے پکڑنا سیکھ لیا ہے اور جب تک آپ کے سو گھوڑے نہیں ہو جاتے آپ بےفکر رہیں میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔

بوڑھا: خدا تمہیں ہمیشہ سرفراز کرے اگر میں بیمار نہیں ہوتا تو تمہیں ہرگز زحمت نہ اُٹھانے دیتا۔ اگر گھوڑے دس دنوں میں نہ پکڑے گئے تو ظالم بادشاہ زندہ گڑوا دے گا۔

سندباد: خیر ابھی نو روز باقی ہیں اور انشاء اللہ یہ کام دس دنوں کے اندر اندر انجام پا جائے گا۔

بوڑھا: کاش کہ میں بیمار نہ ہوتا۔

سندباد: آپ بالکل فکر چھوڑ دیں بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔ ساری ذمہ داری اب میری ہے۔

(دونوں باتیں کرتے ہیں بوڑھا گھوڑے پکڑنے کے گر بتاتا ہے۔)

سلطانہ کھانا لے کر آتی ہے وہ نہایت حسین ترین دوشیزہ ہے جس پر جنت کی حور ہونے کا گمان کیا جا سکتا ہے۔ سندباد اسے دل دے بیٹھتا ہے۔

(پہلی نظر کا عشق)

سلطانہ بھی سندباد کو دل میں پسند کرنے لگتی ہے۔ دونوں رات کو ایک دوسرے کو یاد کر کے کروٹیں بدلتے ہیں۔

(تبدیلیٔ منظر)

سین۔۳

جنگل، صبح کا وقت، سند باد اور سلطانہ گھوڑے پکڑتے ہیں۔ اب سند باد کافی سیکھ چکا ہے اور زیادہ سے زیادہ گھوڑوں کو زیر کر لیتا ہے۔ ایک گھوڑے کو پکڑتے ہوئے سلطانہ گر جاتی ہے۔ سند باد جان پر کھیل کر اسے بچاتا ہے۔ سلطانہ اس کے سینے سے چمٹ جاتی ہے اور دونوں زبانی اظہار محبت کرتے ہیں۔ ایک دوگانے Duet کے ذریعہ Visualise کیا جائے۔

سلطانہ: سند باد میں آپ کو دل و جان سے پیار کرتی ہوں کاش کہ ہم ایک دوسرے کے ہو سکتے۔

سند باد: کیوں نہیں سلطانہ ہم خود تم سے یہ بات کہنا چاہتے تھے ہم آج ضرور تمہارے والد صاحب سے اسی سلسلے میں بات کریں گے۔

سلطانہ: لیکن کیا فائدہ ہوگا؟

سند باد: فائدہ اور نقصان یہ تم کس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ تمہارے ابو ہمیں پسند کرتے ہیں اور وہ تمہارا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دینے سے کبھی انکار نہیں کریں گے۔

سلطانہ: میں بھی جانتی ہوں کہ میرے ابو ایسا ہی کریں گے۔

سند باد: تو پھر رونا کس بات کا؟

سلطانہ: سند باد آج میں آپ کو اپنی زندگی کے ایک راز سے آشنا کروانا چاہتی ہوں۔

سند باد: تو پھر اتنے روز تک چھپانے کی کیا ضرورت تھی تم تو جانتی ہو ہم محبت میں سودا نہیں کرتے تمہاری ہر بات ہمیں بسر و چشم قبول ہے۔

سلطانہ: یہ اس وقت کا ذکر ہے جب میں چھوٹی تھی اور میری ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ میرے ابو مجھے پہلے سے بھی زیادہ چاہتے تھے مگر جب میں نے سنا کہ وہ

دوسری شادی کر رہے ہیں تو میں بہت روئی۔

(فلیش بیک)

باپ: مت روؤ میری جان، میری ننھی بیٹی، میں تم سے ہمیشہ کی طرح پیار کروں گا۔

سلطانہ: ابو میرے ابو مجھے امی بہت یاد آ رہی ہیں۔

باپ: بیٹی کیا میں تمہاری امی کو بھول گیا ہرگز نہیں، اب بھی میں تمہاری امی کی طرح تمہیں اپنے سینے سے لگا کر سلاؤں گا پھر خود سوؤں گا۔

سلطانہ: مگر میں نے سنا ہے کل آپ دوسری شادی کر رہے ہیں۔

باپ: بیٹی کیا کروں مجبور ہوں جوئے میں سب کچھ ہار گیا تھا اگر وہ عورت وقت پر پیسے نہ دیتی تو یہ چھت بھی ہمارے سر پر نہ ہوتی۔

کیمرہ پھر سندباد اور سلطانہ پر پڑتا ہے۔

سلطانہ: پھر میرے ابو کی شادی ہوگئی۔ وہ مجھے سلا رہے تھے لوری گا کر۔ کہ میری سوتیلی ماں چیختی ہوئی کمرے میں آئی۔

(فلیش بیک)

(یہاں ایک لوری ڈالی جا سکتی ہے۔)

سوتیلی ماں: اوہو شادی کی رات کو بھی اس کا لاڈ ہو رہا ہے اور میں دلہن بنی تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔

باپ: ابھی سو جائے گی جب آ جاؤں گا۔

سوتیلی ماں: کیا یہ چھوٹی ہے جو خود نہیں سوتی، اسے تو میں ٹھیک کر دوں گی۔ (ہاتھ پکڑ کر باپ کو شب خوابی کے کمرے میں لے جاتی ہے۔)

سلطانہ روتے روتے سو جاتی ہے کہ آدھی رات کو اس کی آنکھ کھلتی ہے اسے ایک بلی نظر آتی ہے۔ بڑی سی کالی سی جو اس کی جانب بڑھتی چلی جاتی ہے۔ سلطانہ ڈر کر آتش دان کے اوپر والے تختے پر چڑھ جاتی ہے بلی وہاں بھی جست لگا کر آ جاتی ہے اور سلطانہ کا گلا دبانے لگتی ہے وہیں میان میں سلطانہ

کے والد کی تلوار لٹک رہی تھی۔ سلطانہ اسے اٹھاتی ہے اور بلی کی گردن اڑا دیتی ہے یکا یک ابو کے کمرے سے چیخنے کی آوازیں آتی ہیں۔ سلطانہ بھاگ کر اندر جاتی ہے تو دیکھا کہ سوتیلی ماں کی گردن کٹی ہوئی ہے سلطانہ باپ سے چمٹ جاتی ہے۔

باپ: اچھا ہوا بروقت معلوم ہوگیا کہ یہ چڑیل تھی اور تمہیں مارنا چاہتی تھی۔ (جسم سے ایک چڑیل روح نکل کر مخاطب ہوتی ہے۔)

سوتیلی ماں: سلطانہ تم نے مجھے شادی کی رات مار دیا ہے اب اس جسم سے میرا رشتہ ٹوٹ گیا مگر میں تم سے ضرور بدلہ لوں گی ابھی نہیں تمہاری شادی کی رات کو وہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہوگی۔

(اور وہ چڑیل غائب ہوجاتی ہے۔)

کیمرہ دوبارہ سند باد اور سلطانہ پر پڑتا ہے سلطانہ سند باد کے گلے لگ جاتی ہے۔

سلطانہ: سند باد میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں، تمہاری بن کر مگر ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں کیا کروں۔ میں جینا چاہتی ہوں، میں مرنا نہیں چاہتی سند باد۔

سند باد: مجھ پر بھروسہ رکھو میں جو تمہارے ساتھ ہوں، تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میرے پاس والد صاحب کا دیا ہوا ایسا علم موجود ہے جسے پڑھ کر حصار کھینچ دوں گا تو بدروحیں اور بھوت پریت اس کے اندر نہیں آسکیں گے تم بے فکر رہو۔

سلطانہ: آج کا آخری دن ہے اور صرف ۵/گھوڑے اور پکڑنے ہیں۔

سند باد: آج ہم جلد فارغ ہوجائیں گے اور میں شادی کی تیاری کے سلسلے میں کل شہر جاؤں گا تا کہ کچھ سامان وغیرہ لاسکوں۔

(تبدیلیٔ منظر)

سین۔۴

دونوں پانچوں گھوڑوں کو پکڑ کر ہنستے گاتے گھر پہنچتے ہیں۔ بوڑھا انہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ گھوڑوں کو باندھتا ہے اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ سند باد کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

سند باد: بابا میں آج سلطانہ کا ہاتھ آپ سے مانگتا ہوں۔ آپ کا کام بھی پورا ہوگیا کل بادشاہ کے آدمی اپنے گھوڑے لے جائیں گے آپ پرسوں ہمارا نکاح کردیں تاکہ ایک دو روز میں ہم رخصت ہولیں۔

بوڑھا: بیٹا تم نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ سلطانہ کو تم سے بہتر شوہر کہاں ملے گا مگر اس بدبخت کے ساتھ ایک المیہ ہے۔

سند باد: میں جانتا ہوں آپ اس کی فکر نہ کریں میں کل جانے سے قبل وہ علم پڑھ کر حصار کھینچ دوں گا پھر کوئی چڑیل یا پریت سلطانہ کے قریب نہ پھٹکے گی مگر خیال رہے کہ اس لکیر سے باہر سلطانہ نہ نکلے۔

بوڑھا: (خوش ہو کر) جیتے رہو، نہیں نکلے گی۔ دوسرے روز سند باد الوداع کہہ کر شادی کے لیے خرید و فروخت کے سلسلے میں بازار چلا جاتا ہے جو بہت دور ہے اور آنے جانے میں دو روز لگ جاتے ہیں مگر جانے سے قبل علم پڑھ کر حصار کھینچ دیتا ہے کیونکہ سلطانہ شکایت کرتی ہے کہ اسے نیند میں وہ چڑیل دکھائی دی تھی۔

سند باد: دیکھو سلطانہ اس لکیر سے باہر قدم نہ رکھنا، بدارواح اس کے اندر نہ آسکیں گی۔ اگر تم نے لکیر سے...... باہر قدم نکالا تو علم کا اثر ختم ہوجائے گا۔ (اِدھر وہ جاتا ہے اُدھر بادشاہ کے سپاہی آدھمکتے ہیں۔)

ایک سپاہی: او بڈھے سو گھوڑے جمع کیے یا نہیں؟

بوڑھا: گن لو پورے سو ہیں۔

دوسرا: بادشاہ نے تو صرف ۷۰/ مانگے تھے ۳۰/ ہم آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

بوڑھا: اب ان جنگلوں میں گھوڑے ملنا مشکل ہوگئے ہیں۔ خدا کو زندگی منظور تھی ورنہ دس دنوں میں ۱۰۰/ گھوڑے پکڑنا انسان کے بس کا روگ نہیں۔

تیسرا سپاہی: ارے سنا ہے کوئی نوجوان بھی تو آیا ہے یہاں وہ کس مرض کی دوا ہے؟

بوڑھا: وہ میرا ہونے والا داماد ہے اور یہ گھوڑے اس کی محنت کا پھل ہیں۔ کل میری بیٹی کا نکاح ہے۔ اگر خدا اسے رحمت کا فرشتہ بنا کر نہ بھیجتا تو آج بادشاہ میرا سر قلم کرا دیتا۔

(سلطانہ کسی کام سے باہر نکلتی ہے، سپاہی اسے دیکھتے ہیں۔)

ایک سپاہی: تو یہ ہے تمہاری بیٹی، کہاں چھپا کر رکھا تھا اسے اُس پردیسی کے لیے جبھی تو اس نے ۱۰۰/ گھوڑے پکڑ لیے۔

دوسرا: اسے بھی گھوڑوں کے ساتھ لے چلو بادشاہ خوش ہوگا کہ پوری ریاست میں اتنی حسین عورت کبھی نہیں دیکھی۔ بادشاہ اسے حرم میں رکھ لے گا۔ پردیسی سے ہمارا بادشاہ کیا بُرا ہے۔

بوڑھا: اس کی منگنی ہوچکی ہے۔ خبردار جو اسے ہاتھ لگایا۔

(میان سے تلوار نکال لیتا ہے)

سلطانہ بھاگ کر بڈھے اور سپاہیوں کے درمیان آ کھڑی ہوتی ہے۔ وہ حصار سے باہر ہو جاتی ہے۔ بوڑھے کو سپاہی زخمی کر کے سلطانہ کو گھوڑے پر بٹھا کر لے جاتے ہیں۔ اس شام سلطانہ اور بادشاہ کی شادی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ جسے زخمی بوڑھا پڑے پڑے سنتا ہے اور روتا رہتا ہے۔

(تبدیلیٔ منظر)

سین۔ ۵

بادشاہ کا محل۔ سلطانہ کو عروس کا لباس پہنایا گیا ہے۔ سلطانہ کو نکاح کے لیے لے جانے کے واسطے دو باندیاں آتی ہیں مگر وہ بھاگ کر اوپری کمرے میں چلی جاتی ہے۔ جہاں اسے وہی چڑیل نظر آتی ہے۔

چڑیل: جاؤ سلطانہ اوپر سے کود جاؤ۔

سلطانہ: نہیں سند باد ضرور آئے گا مجھے بچانے تم مجھے مار ڈالنا چاہتی ہو۔

چڑیل: وہ لوگ تمہیں لینے آ رہے ہیں۔ جاؤ جلدی کرو۔ کود جاؤ کہ سند باد ابھی گھر نہیں لوٹا ہے۔ تمہاری مدد کو کوئی نہیں آئے گا پھر اکیلا چنا کیا بھاڑ جھونکے گا۔

سلطانہ: نہیں خدا کے لیے تم چلی جاؤ میں بھاگ جانا چاہتی ہوں۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں سند باد کے ساتھ رہنے کے لیے۔

چڑیل: بھاگ کر کہاں جاؤ گی۔ چاروں طرف بادشاہ کے آدمی ہیں آؤ کھڑکی کے قریب آؤ۔ کود جاؤ۔ کود جاؤ میں کہتی ہوں، کود جاؤ اور سلطانہ دیکھتی ہے کہ سامنے سے بادشاہ کے سپاہی آ رہے ہیں تو لپک کر کود جاتی ہے چڑیل قہقہے لگاتی ہے۔

سند باد جب آتا ہے تو سلطانہ کی لاش پر ماتم کرتا ہوا بوڑھا اور لوگ ملتے ہیں۔ وہ پاگلوں کی طرح سلطانہ سلطانہ چلاتا ہے۔ بوڑھا اسے پوری کہانی سناتا ہے۔

سند باد جہازی: (تعجب سے) ایسے بادشاہ کے خلاف آپ لوگ ایک لفظ نہیں نکالتے (تلوار اٹھا لیتا ہے) میں خود اکیلا لڑوں گا۔ چاہے موت سے گلے کیوں نہ ملنا پڑے مگر سلطانہ کا بدلہ لیے بنا نہ رہوں گا۔

یہ دیکھ کر اور لوگ بھی اس کے پیچھے پیچھے تلوار، نیزے اور تیر کمان لیے نکلتے

ہیں اور بادشاہ کے محل پر ایک بہت بڑی فوج کی شکل میں لوگ حملہ آور ہوتے ہیں۔ حملہ اتنا اچانک ہوتا ہے کہ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور بادشاہ کو سند باد زیر کر لیتا ہے۔ اسے قیدی بنا کر رعایا کے سامنے پیش کرتا ہے کہ آپ لوگ جو چاہیں اسے سزا دیں کہ میں ایک مسافر اجنبی ہوں اور صرف سلطانہ کا بدلہ چاہتا ہوں۔ لوگ غصہ میں پتھر پھینک پھینک کر بادشاہ کو ادھ مرا کر دیتے ہیں اور سند باد کو بادشاہت سونپتے ہیں۔

سند باد: نہیں میں سوداگر ہوں۔ میرا کام جگہ جگہ گھومنا سیاحت کرنا مال خریدنا اور بیچنا ہے۔ میں سمندروں کا بادشاہ ہوں، مجھے زمین سے کیا لینا دینا۔ میں چاہتا ہوں بوڑھے بابا کو یہاں کا حاکم بنایا جائے اور مجھے رخصت ہونے کا موقع دیا جائے۔

(تبدیلیٔ منظر)

سین ۔ ٦

سند باد رخصت ہوتا ہے اس جزیرہ کے تمام لوگ جمع ہوتے ہیں اور سند باد کو رخصت کرتے ہیں۔ ایک خوبصورت کشتی میں سند باد روانہ ہوتا ہے۔ بوڑھا اسے دو بہترین گھوڑیاں اور گرم مسالے دیتا ہے۔

آگے چل کر ایک ٹاپو پر سند باد کو کئی سوداگر ملتے ہیں۔ سند باد اپنی کشتی بیچ کر ان کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ اپنے ساتھ لایا ہوا گرم مسالہ فروخت کر کافی روپے اکٹھے کر لیتا ہے۔ راستے میں ایک سوداگر اس سے کہتا ہے۔

سوداگر: سوداگر اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ کام کر سکتے ہو، آدھا منافع تم لے لینا اور تجارت کے لیے ہم تمہیں سامان دیں گے۔

سند باد: کیا سامان ہے؟

دوسرا سوداگر: سند باد جہازی کا سارا سامان جوں کا توں ملا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ بیچ کر رقم اس کے گھر پہنچا دیں کہ وہ جانے کہاں نکل گیا۔

سند باد: (مسکرا کر) اگر میں کہوں کہ میں خود سند باد جہازی ہوں تو......

ایک سوداگر: کیا ثبوت ہے بھلے مانس تمہارے پاس اس بات کو ثابت کرنے کیلئے۔

سند باد: میں بغیر دیکھے اگر یہ بتا دوں کہ سند باد کے سامان میں کیا کیا ہے تب تو آپ کو اس کا یقین ہو جائے گا کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔

دو تین تاجر: (بیک آواز) یقیناً۔

سند باد: تمام چیزوں کے نام لیتا ہے اور وہ موجود ہوتی ہیں جیسے شاہی غالیچہ، بدخشاں کے لعل، صندل کی لکڑیاں وغیرہ وغیرہ۔

ایک تاجر: جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے ورنہ مشہور ہو چکا تھا کہ سند باد اب اس دنیا میں نہیں۔

تمام تاجر سند باد کے نام کا جام پیتے ہیں اور اسے لمبی عمر کی دعائیں دیتے ہیں اور جزیرہ پر خوب خوشیاں مناتے ہیں۔ سند باد اپنا سامان بیچتا ہے اور نئی چیزیں خریدتا ہے اور بے انتہا دولت کما کر بغداد واپس آجاتا ہے۔

(تبدیلیٔ منظر)

نہ کوئی آدم نہ آدم زاد

سین۔ا

کیمرہ جزیرے پر مرکوز ہوتا ہے۔ جزیرہ نہایت خوبصورت ہے، فرحت بخش باغات اور چشمے کثرت سے نظر آتے ہیں لیکن وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ آدم نہ آدم زاد۔

سند باد: یا خداوند یہ کیسی بستی ہے کہ نہ آدم نہ آدم زاد۔

باغ ہے پر عجب ہے یہ روداد
نہ کوئی آدم نہ آدم زاد

گل ہیں سب اپنے اپنے جو بن پر
بوئے گل ہے صبا کے تو سن پر

(سند باد ادھر اُدھر گھومتا پھرتا ہے اور ایک جگہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ ٹھنڈی ہواؤں میں اس کی آنکھ لگ جاتی ہے۔ اٹھتا ہے تو اسے اپنا ایک ساتھی سوتا ہوا نظر آتا ہے۔)

سند باد اسے اٹھاتا ہے۔

سند باد: اٹھو بھائی کیا گھوڑے بیچ کر سو رہے ہو میاں نظیر!

نظیر: (ہڑبڑا کر) کیا ہوا آسمان ٹوٹ پڑا یا زمین پھٹ گئی۔ ایسی میٹھی میٹھی نیند کے مزے لے رہا تھا۔

سند باد: دیکھو ہمارا ایک ساتھی بھی نہیں۔ جانے سب کہاں چلے گئے اور یہ شہر بھی بڑا سنسان سا لگتا ہے (دونوں چلتے ہیں۔)

نظیر: چلتے چلتے میں تو تھک گیا اب اور چلنے کی سکت نہیں۔

سند باد: عجیب کاہل آدمی ہو ابھی تو سو رہے تھے اور تمہاری نیند ہے کہ اب تک نہیں اتری چلو اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈ تے ہیں۔

نظیر: پیدل تو میں نہیں چلوں گا۔

سند باد: تو تمہارے لیے گھوڑا گاڑی کہاں سے لاؤں؟

نظیر: ارے وہ دیکھو ایک آدمی گدھے کی رسی پکڑے اسے اپنے پیچھے پیچھے لیے چلا جا رہا ہے۔ نہ خود بیٹھ رہا ہے نہ دوسروں کو بیٹھنے دیتا ہے۔ یقیناً احمق ہے۔

سند باد: احمقوں کی کمی نہیں ہے ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔

نظیر: ٹھہرو میں تمہیں گدھا دلواتا ہوں تم آگے نکڑ پر میرا انتظار کرو۔

(نظیر گدھے کی رسی کھول کر سند باد کے حوالے کر دیتا ہے اور گدھے کی رسی اپنے گلے میں باندھ لیتا ہے۔ سند باد گدھا لے کر یہ جا وہ جا۔ (جب احمق پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو رسی ایک انسان کے گلے میں نظر آتی ہے۔)

احمق: تو کیا بلا ہے اور میرا گدھا کیا ہوا؟

نظیر: میں ہوں تمہارا گدھا۔

احمق: (ہنستا ہے) تو گدھا ہے؟

نظیر: میں بالکل گدھا ہوں۔ میری ماں ایک پارسا عورت تھی میں ایک روز کھجور کی شراب پئے ہوئے اس کے سامنے آیا تو اس نے کہا بیٹا خدا سے توبہ مانگ لو میں نشہ میں تھا میں نے دھکا دے دیا۔ اس نے مجھے بد دعا دی اور میں گدھا بن گیا۔

احمق: (چہ...... چہ) مگر اب تم گدھے سے انسان کیسے بن گئے؟

نظیر: آج میری ماں کو میری یاد آ گئی جب اس نے مجھے اس حال میں دیکھا تو میرے لیے دعا کی اور میں پہلے کی طرح انسان بن گیا۔

احمق: بھائی تم انسان ہو اور میں نے اتنے دنوں تک تم سے گدھے جیسا سلوک کیا مجھے معاف کر دو۔

نظیر: پہلے میری رسّی کھول کر مجھے آزاد کر دو۔

احمق: ضرور! بالکل، میرے بھائی تم نے مجھے معاف کر دیا نا۔

نظیر: یہ پنیر اور یہ روٹیاں مجھے دے دو کہ میں نے بہت دنوں سے انسانوں کا کھانا نہیں کھایا۔ گھاس کھاتا رہا ہوں۔

احمق: لے لو، (نظیر نکڑ کی جانب چلا جاتا ہے۔ ادھر احمق اپنے گھر کا رستہ لیتا ہے۔)

(تبدیلیٔ منظر)

سین ۔۲

بیوی: ارے تم خالی ہاتھ آئے ہو پنیر اور روٹیاں کہاں ہیں اور گدھا کہاں چھوڑ آئے؟

احمق: بیوی توبہ کرو جلدی جلدی۔

بیوی: خدا خیر کچھ کہو بھی۔

احمق: ہمارا گدھا انسان تھا۔

بیوی: کیا بک رہے ہو گدھا انسان تھا؟

احمق: ہاں (Visual کے ذریعہ سرگزشت)

بیوی: خوب تمہیں گدھا بنا گیا۔ میری قسمت، جاؤ دوسرا گدھا لے آؤ اور روزی کماؤ۔ آخر کب تمہیں عقل آئے گی۔

(احمق بازار جاتا ہے ایک گدھے والا گدھا بیچ رہا ہے۔ احمق گدھے کے پاس جاتا ہے اور اپنا منہ اس کے کان پر رکھ کر کہتا ہے۔)

احمق: کم بخت کہیں تو نے بھی تو اپنی ماں کو نہیں مارا جو گدھا ہو گیا؟

(گدھے کو گدگدی ہوتی ہے اور وہ بھاگتا ہے)

گدھے والا: (چلاّتا ہے) ارے میرے گدھے کو بھگا دیا۔

احمق: خدا کی قسم وہ گدھا نہیں انسان ہے میں اسے ہرگز نہیں خریدوں گا۔

گدھے والا: ابے احمق مت خرید مگر اس سے کیا کہا جو بھاگ گیا۔

احمق: میں تمہیں کیوں بتاؤں؟

گدھے والا: ایک چابک مارتا ہے اس کا سامان لے لیتا ہے۔ جا اور اسے پکڑ کر لا ورنہ تیرا سامان واپس نہیں کروں گا۔

سین ۔۳

(احمق گدھے کے پیچھے پیچھے بھاگتا ہے۔)

ادھر نظیر اور سند باد دونوں مل کر پنیر کی روٹیاں کھاتے ہیں اور گدھے پر بیٹھ کر جزیرہ کا کنارہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نظیر: یار تم نے محسوس کیا کہ یہاں آدمی بہت کم ہیں؟

سند باد: اس علاقے میں رخ چڑیا کا بسیرا ہے جس کا بچہ بھی ہاتھی نگل جاتا ہے پھر انسان کی کیا بساط۔

نظیر: رخ چڑیا۔ یار نکلو یہاں سے یقیناً ہمارے ساتھیوں کو وہی کھا گئی ہوگی؟

(ایک خوبصورت عورت چلاّ کر انہیں بلاتی ہے۔)

عورت: ٹھہرو ٹھہرو، خبردار آگے مت جانا۔ خطرہ ہی خطرہ ہے۔

نظیر: ہائے، کیا چیز ہے پیارے۔

سند باد: کیا بات ہے خاتون آگے کیا خطرہ ہے۔

عورت: وہ جو بڑا سا گنبد نظر آرہا ہے۔ (دونوں دیکھتے ہیں)

نظیر اور سند باد: ہاں۔

عورت: وہ گنبد نہیں رخ چڑیا کا انڈا ہے۔ ابھی وہ دو آدمیوں کو چٹ کر گئی ہے۔

نظیر: یار سند باد چلو، یہاں سے۔

سند باد: کیسے؟

عورت: میں ایک ترکیب بتاتی ہوں مگر مجھے بھی اپنے ساتھ رکھنا۔

سند باد: کیوں نہیں اگر ترکیب معقول ہوئی تو تم بھی ہمارے ساتھ چل نکلنا۔

نظیر: نہیں اس عورت کی باتوں میں مت آنا۔

سند باد: کیوں؟

نظیر: ارے بڑے بڑے بادشاہ مات کھا گئے، ایران کے بادشاہ خسرو کی کہانی نہیں معلوم۔

سند باد: سنا دو۔

نظیر: بادشاہ خسرو کو مچھلی بہت پسند تھی............

سین۔۴

(فلیش بیک)

[Visual کے ذریعہ تبدیلیٔ منظر کے ساتھ دکھاتے ہیں۔]

(محل میں بادشاہ خسرو کے سامنے ماہی گیر کھڑا ہے اور بیگم شیریں بھی ہے۔)

ماہی گیر: جہاں پناہ ایسی مچھلی پچھلے دس سالوں میں حضور نے نہیں کھائی ہوگی؟

خسرو: ٹھیک ہے جاؤ خزانہ سے چار ہزار درہم لے لو۔

(ماہی گیر شکریہ ادا کر کے جاتا ہے۔)

شیریں: حضور والا آپ نے بہت برا کیا۔

خسرو: کیوں؟ میں نے تو اسے انعام دیا ہے جو ہزار مچھلیوں کی قیمت سے بھی زیادہ ہے۔

شیریں: مگر آپ نے آج کے بعد اگر اپنے مصاحبوں کو بھی اتنا انعام دیا تو وہ اسے حقیر سمجھیں گے۔

خسرو: کیوں؟

شیریں: اس لیے کہ وہ یہی کہیں گے کہ جہاں پناہ نے ہمیں اتنا ہی دیا جتنا ماہی گیر کو دیا تھا۔ اگر اس سے کم دیا تو انہیں رنج ہوگا کہ بادشاہ نے ہماری ذلت کی اور ماہی گیر سے بھی کم سمجھا۔

خسرو: سچ کہتی ہو ملکہ مگر اب تو ہم انعام دے چکے ہیں، واپس کیسے لیں کہ بادشاہ ایک مرتبہ دے کر واپس نہیں لیتا۔

شیریں: ایک ترکیب ہے۔

خسرو: تو کہو۔

شیریں: اسے یعنی ماہی گیر کو بلاؤ اور اس سے پوچھو کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ اگر وہ کہے نر ہے تو کہنا ہمیں مادہ چاہئے اگر وہ کہے مادہ تو کہنا ہمیں نر چاہئے۔ اس طرح آپ اپنا دیا ہوا انعام واپس لے سکتے ہیں۔

خسرو: (پہریدار سے) جاؤ ابھی ماہی گیر راستہ میں ہوگا اسے بلا لاؤ۔

(ماہی گیر لایا جاتا ہے۔)

خسرو: یہ بتاؤ ماہی گیر کہ مچھلی نر ہے یا مادہ؟

ماہی گیر: (زمین چوم کر) جہاں پناہ، نہ تو یہ نر ہے نہ مادہ، یہ تو مخنث ہے۔

خسرو: (ہنستا ہے) حاضر جواب ہے، جاؤ خزانچی سے اور ۴/ہزار درہم لے لو۔

(ماہی گیر ۴/ہزار درہم اور لیتا ہے مگر ایک درم اس سے گر جاتا ہے۔ ماہی گیر اپنی تھیلی اتار کر وہ ایک درہم اٹھاتا ہے۔)

شیریں: بادشاہ سلامت دیکھا آپ نے یہ شخص کتنا لالچی ہے کیسی خصلت رکھتا ہے کہ ۸/ہزار درہم میں سے ایک درہم گر گیا تو اس نے اسے اٹھالیا کہ کہیں بادشاہ کا کوئی نوکر نہ اٹھالے، چھی چھی۔

خسرو: واقعی یہ قابل نفرت حرکت ہے...... بہت چھوٹا پن ہے۔

خسرو: (پہرے دار سے) جاؤ اس ماہی گیر کو واپس بلاؤ۔

(ماہی گیر آتا ہے کورنش بجا لاتا ہے۔)

خسرو: اے کم بخت۔ کم ہمت تجھ میں انسانیت بالکل نہیں، تو سارا سامان کندھے سے اتار کر ایک درہم کے لیے جھکا اور تیری کنجوسی نے یہ گوارا نہ کیا کہ ہمارا کوئی نوکر اسے اٹھالیتا۔

ماہی گیر: (زمین چوم کر) حضور جان کی امان ہو میں نے وہ درہم زمین سے اس لیے نہیں اٹھایا کہ میں اسے لینے کے لیے بے چین تھا بلکہ میں نے اس لیے اٹھایا کہ اس میں ایک طرف بادشاہ اور دوسری طرف اس کا نام ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ یونہی پڑا رہا تو کوئی اس پر پیر نہ رکھ دے۔ اس وجہ سے میں نے ایسا کیا

بادشاہ کے نام اور تصویر کی ذلت مجھے گوارا نہیں۔ حضور جو چاہیں سزا دیں۔

بادشاہ خسرو: (خوش ہو کر) نہیں ہمیں تمہاری بات پسند آئی جاؤ اور 4 ہزار درہم خزانچی سے لے لو۔

(ماہی گیر بارہ ہزار درہم لے کر بادشاہ کو دعائیں دیتا ہوا دربار سے رخصت ہوتا ہے)

خسرو: کسی دانا نے کیا خوب کہا تھا——

کہ کوئی عورتوں کے مشورے پر نہ چلے کیونکہ اگر کوئی ان کے مشورے پر چلتا ہے تو وہ اپنے ایک درہم کے علاوہ دو درہم اور کھوئے گا۔

سند باد: (ہنستا ہے) پھر تم کوئی ترکیب بتاؤ۔

عورت: خدارا ہمارے پاس وقت بہت کم ہے ابھی رخ چڑیا آتی ہوگی اگر تم لوگوں نے میرے کہنے پر عمل کیا تو ہم تینوں اس منحوس جزیرے سے بھاگ سکتے ہیں۔

سند باد: اچھا کہو تو کیا کہنا چاہتی ہو؟

عورت: ہم جلد از جلد اس گنبد نما انڈے کے پاس جا کر چھپ جاتے ہیں۔ جب رخ چڑیا آئے گی اور اس پر بیٹھے گی تو ایک پیر پر تم دونوں اپنی پگڑیوں سے خود کو باندھ لینا اور دوسرے پر میں ڈوپٹے سے خود کو باندھ لوں گی۔ ظاہر ہے وہ اڑ کر کسی آبادی والے علاقے میں پانی پینے ضرور جائے گی ہم فوراً الگ ہو کر چھپ کر نکل جائیں گے کہ یہاں اس کا بسیرا ہے اور وہاں وہ محض چند لمحے ٹھہرے گی۔

سند باد: معقول ترکیب ہے چلو نظیر۔

نظیر: (خود بڑبڑاتے ہوئے) آزما لو اسے بھی، چلو بندہ حاضر ہے۔ سر ہتھیلی پر رکھ دیا ہے۔ یہ مروا کر دم لے گی۔ ایک کے تین نہ دینے پڑیں دیکھ لینا۔

(تینوں ویسا ہی کرتے ہیں اور رخ چڑیا کے پنجوں سے اپنے آپ کو باندھ لیتے

ہیں۔(ایڈونچر کے ساتھ کیمرے کا کمال ڈر و خوف اور مزے کا ملا جلا تاثر۔)

وہ دونوں اور سند باد پگڑی کھولتا ہے، چڑیا کے پیروں میں باندھتا ہے جب چڑیا اڑتی ہے تو وہ تینوں بھی اس کے ساتھ اڑ کر آبادی تک پہنچ جاتے ہیں۔ چڑیا ایک ٹیکری پر رکتی ہے وہ تینوں پگڑیاں اور ڈوپٹہ کھول کر نو دو گیارہ ہو جاتے ہیں۔ آگے جاتے ہیں تو انہیں راستے میں ہیرے ہی ہیرے نظر آتے ہیں وہ پوری زمین ہیروں کی بنی ہوئی تھی اور ہر طرف سانپ نظر آتے ہیں۔ اچانک ایک بڑا سا جانور گرتا ہے۔ ان کے سامنے، وہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔

سند باد: میں نے سنا تھا کہ ایسی زمین پر لوگ لیس دار جانور اس طرح پھینکتے ہیں کہ ہیرے ان سے چپک جائیں، اس جانور کے جسم سے بڑے بڑے ہیرے نکال کر جیب میں رکھ لو، تینوں ہیرے بٹورتے ہیں، شام کو ایک بڑا سا پرندہ جانور کو لینے نیچے اترتا ہے۔ سند باد مع ان دونوں کے دوبارہ اپنی پگڑی کے سہارے اس کے ذریعے وہاں سے آبادی میں پہنچ جاتے ہیں۔

(آبادی میں پہنچ کر)

سند باد: السلام علیکم

ایک شخص: وعلیکم السلام

سند باد: کیا آج کی رات ہم لوگ یہاں آپ لوگوں کے ساتھ وقت گزار سکتے ہیں۔

دوسرا شخص: بے شک ہم خود مسافر ہیں سوداگر ہیں۔ اپنا سامان بیچنے یہاں آئے ہیں یہاں سے ہیرے خریدنا چاہتے ہیں۔

سند باد: ہمارے پاس ہیرے ہیں اگر آپ لوگ ہم سے خریدنا چاہیں تو خرید سکتے ہیں۔

(دو چار سوداگر جمع ہو جاتے ہیں۔) سند باد انہیں اپنے ہیرے دکھاتا ہے اور منہ مانگی رقم پاتا ہے۔

ایک سوداگر: تم اچھے سوداگر معلوم ہوتے ہو کیوں نا ہمارے ہمراہ چلو۔

سند باد: بیشک میں سوداگر ہوں اور اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا ہوں اب میرے

پاس پیسے بھی ہیں پھر سے تجارت کر سکتا ہوں پہلے میرا سارا سامان مجھ سے چھوٹ گیا تھا۔

سند باد: نظیر اشرفیاں گن رہے ہو۔

نظیر: (گنتے ہوئے) پہلی مرتبہ عورت کے مشورے سے فائدہ ہوا۔ خدا کی شان۔

سند باد: پھر اب کیا ارادہ ہے؟

نظیر: دُنیا میں عقلمند عورتیں ہیں کہاں؟ اس سے پہلے کہ کوئی اسے اٹھا لے جائے میں عقد کرنا چاہتا ہوں۔ تم گواہ بن جاؤ ایک گواہ اور مل جائے گا۔

(کیمرے کے ذریعہ نظیر اور اس عورت کا عقد بڑھا چڑھا کر دِکھایا جا سکتا ہے۔) عربی رسم و رواج کے مطابق دونوں کی شادی انجام پذیر ہوتی ہے۔ پس منظر سے ڈھولک کی تھاپ پر الوداعی نغمہ۔

(منظر تبدیل)

سین ۔ ۵

قافلہ ایسی جگہ جاتا ہے جہاں کافور کے بڑے بڑے پیڑ تھے اور بڑے بڑے گینڈے تھے ان کی پیٹھ پر ہاتھی بیٹھتے تھے اور جب وہ مرجاتے تھے تو ان کی چربی پگھل پگھل کر گینڈوں کو اندھا کر دیتی تھی اور رخ پرندے انہیں اٹھا کر لے جاتے تھے اور اپنے بچوں کو کھلاتے تھے۔

سند باد نے اس جزیرے سے وہی طریقہ اپنا کر ہیروں کی نگری سے بے انتہا نایاب ہیرے جانوروں کے ذریعے اکٹھا کیے اور پھر سے بے شمار دولت کا مالک بن گیا اور تیسرے سفر پر نکل گیا۔

(فلیش بیک)/تیسرا سفر

ناخدا: (بھونپو منہ میں لے کر) غضب خدا کا باد مخالف، ہمیں نہ جانے کس سمت میں بہا لائی سامنے لنگوروں کی ٹولی نظر آرہی ہے۔

لنگور جہاز پر حملہ کرتے ہیں دانتوں سے جہاز کی رسیوں کو کاٹ دیتے ہیں۔

ایک سوداگر: بھائیو اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو ان لنگوروں سے کچھ نہ کہنا ورنہ پورا جہاز تباہ کر دیں گے۔

تیسرا سوداگر: اگر ان کو ذراسی بھی آنچ آئی تو یہ ہم مسافروں پر دھاوا بول دیں گے۔

سارے مسافر جہاز سے اتر کر چپ چاپ ساحل پر کھڑے ہو جاتے ہیں لنگور خوب اچھل کود مچاتے ہیں۔ آخر کار جہاز ڈوب جاتا ہے۔

سند باد اور دیگر سوداگر اس جزیرہ میں رُکتے ہیں۔ اور جو تھوڑے بہت پھل وغیرہ ملتے ہیں انہیں کفایت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں چشموں کا پانی پیتے ہیں۔

سند باد: (ساتھیوں سے) ہم کہاں پھنس گئے یہاں تو کھانے پینے کے لیے بھی کچھ نہیں۔

ایک سوداگر: میں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا تھا۔ اس جزیرے کے بارے میں۔
دوسرا سوداگر: کیا سنا تھا۔
پہلا سوداگر: یہی کہ یہاں ایک جن رہتا ہے جو بہت پیٹو ہے۔ جب سارے میوے اور جانور ختم ہو جاتے ہیں تو وہ انسانوں کو کھانا شروع کر دیتا ہے۔
اچانک شور مچتا ہے آندھی سی اٹھتی ہے اور ایک دیو سیاہ فام نظر آتا ہے۔ قوی ہیکل لحیم شحیم ناخن شیر کے پنجوں جیسے، ہونٹ اُونٹ کے دہانے سے بھی بڑے۔
(قریب آ کر وہ سند باد کو اٹھاتا ہے جیسے کوئی بڑی بلّی ننھے چوہے کو دبوچ لے۔ ٹٹولتا ہے۔)
دیو: ہا...... ہا...... ہا...... کمزور آدمی، چھی چھوڑ دیتا ہے ہاں یہ ٹھیک ہے (نا خدا کو پکڑتا ہے گردن مروڑتا ہے اور آگ میں بھون کر چٹ کر جاتا ہے۔)
ایک سوداگر: (خوف سے) اب کیا کریں یہاں تو کھانے کا سارا سامان ختم ہو گیا۔ پھل پھول میوہ جات کو بھی دیو چٹ کر گیا اگر ہم نے کوئی تدبیر نہ کی تو دیو ہمیں باری باری کھا جائے گا۔
سند باد: کیوں نہ ہم جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لائیں اور سمندر میں ڈال دیں اس پر بیٹھ جائیں، خدا نے بچایا تو کنارے لگ جائیں گے۔
سب لکڑیاں کاٹتے ہیں کہ یکا یک دیو کے اٹھنے کی آواز آتی ہے دیو پھر ان میں سے ایک کو بھون کر کھا لیتا ہے اور سو جاتا ہے۔
سند باد: ہمارے پاس وقت کم ہے بہتر ہے کہ لکڑیاں جلا کر اس کی آنکھوں میں ڈالیں اور اسے اندھا کر دیں۔
ایک سوداگر: اور اگر یہ اٹھ گیا تو ہمیں کچل کر رکھ دے گا۔
سوداگر۲: ہمت تو کرنی چاہئے ورنہ یہ تو ہمیں ایک ایک کر کے کھاتا چلا جائے گا۔
سند باد: ہمت مرداں مدد خدا۔ (یا علی کا نعرہ لگا کر جلتی لکڑیاں سب دیو کی آنکھوں میں ایک ساتھ جھونک دیتے ہیں اور اسے اندھا کر دیتے ہیں۔) وحشی پاگلوں کی

طرح دیو خوب ناچتا ہے مگر اسے کوئی نظر نہیں آتا سب چھپ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ دیو یکا یک بلبلا کر لمبی زقند بھرتا ہے— تب تک تمام سوداگر لکڑیوں کے تختے سمندر میں ڈال کر اُن پر بیٹھ جاتے ہیں اور لکڑیوں کے تختے انہیں بہائے لیے جاتے ہیں، اتنے میں دیو مع ایک دیونی کے نمودار ہوتا ہے۔ جو بڑے بڑے پتھر ان پر پھینکتی ہے تقریباً تمام لوگ مرجاتے ہیں سوائے سند باد اور ایک دو سوداگروں کے اور دونوں جیسے تیسے ایک جزیرے میں پہنچ جاتے ہیں۔ تھکے ہوتے ہیں جنگلی پھل کھا کر چشمے کا پانی پی کر سوجاتے ہیں۔

سند باد کی آنکھ کھلتی ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک اژدہا اس کے ساتھی کو نگل رہا ہے وہ بہت خوفزدہ ہوجاتا ہے، خدا کو یاد کرتا ہے۔

سند باد: یا اللہ اس طرح تو یہ اژدہے مجھے بھی نگل جائیں گے میں کیا کروں؟

پھر وہ لکڑیاں کاٹ کر اپنے اوپر باندھ لیتا ہے۔ بچے ہوئے سوداگر اس کی نقل کرتے ہیں۔ اژدھے اُن کے پاس آتے ہیں مگر انہیں اپنی گرفت میں نہیں لے پاتے۔ سند باد سمندر کے قریب ہی دو زانو ہو کر اپنے رب جلیل کے سامنے گڑگڑاتا ہے اپنی عافیت کے لیے دعائیں کرتا ہے۔ اتنے میں اسے ایک جہاز نظر آتا ہے۔

سند باد: (ہاتھ ہلا کر) رکو رکو خدارا ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو، مہربانی ہوگی۔

دُوربین کے ذریعہ جہاز کے اندر سے لوگ دیکھ لیتے ہیں اور جہاز قریب آتا ہے۔ سند باد جہاز میں سوار ہوجاتا ہے اور خدا کا شکر بجالاتا ہے اور چند دنوں تک خشکی پر رہنے کے بعد اگلی منزل کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔

(Change Over)

موت کا جزیرہ

سین ۔ ٦

سند باد صحراؤں اور جنگلوں کی خاک چھانتا ہوا ایک جزیرہ میں پہنچتا ہے جہاں نیم برہنہ لوگ اسے اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر سردار کے پاس لے جاتے ہیں یہ لوگ آدم خور ہوتے ہیں۔ پہلے انہیں خوب کھانے پینے کو دیتے ہیں ناچتے گاتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں ہوتی ہیں۔

(قبائیلوں کا وحشی گیت فضا کو خوف و دہشت سے بھر دیتا ہے۔)

سند باد: (ساتھیوں سے) ان کا کھانا نہ کھاؤ کہ یہ لوگ مجھے آدم خور معلوم ہوتے ہیں۔

ایک سوداگر: ہم بھوکے ہیں اگر یہ لوگ آدم خور بھی ہیں تو زہر تو ہرگز نہ دیں گے۔

دوسرا سوداگر: ہاں یہ ٹھیک ہے ہمیں زہر دیکر تو یہ لوگ ہمیں نہیں کھائیں گے۔

سند باد: مگر ان لوگوں نے ہمیں بے ہوش کر دیا تو ہمارے ہوش میں آنے سے قبل ہمیں چٹ کر جائیں گے۔

تیسرا سوداگر: ہم تو کھاتے ہیں کہ بھوکے پیٹ کچھ سوجھتا بھی نہیں۔

(تینوں کھاتے ہیں مگر سند باد اپنا کھانا چپکے سے پھینک دیتا ہے۔) تینوں ساتھی وہیں ڈھیر ہوجاتے ہیں آدی باسی خوشیاں منانے میں مصروف ہوتے ہیں، سند باد بھاگ نکلتا ہے اور آخر کسی طرح ایک دوسری بستی میں جا پہنچتا ہے۔

(بازار کا منظر، چہل پہل)

ایک شخص: اجنبی معلوم ہوتے ہو کہاں سے آئے ہو؟

سند باد: یہاں سے کچھ دو سو کوس دور ایک بستی میں آدی باسی پکڑ کے لے گئے تھے۔
وہاں سے جان بچا کر بھاگا ہوں شاید میرے ساتھیوں کو وہ کھا چکے ہوں گے۔

وہی شخص: خدا کا ہزار بار شکر ادا کرو وہاں سے آج تک کوئی زندہ سلامت واپس نہیں آیا۔
چلو ہمارے حاکم کے پاس کہ وہ بہت رحم دل ہے۔

(دربار)

سند باد بادشاہ کے دربار میں اپنی کہانی سناتا ہے۔ بادشاہ اپنے یہاں نوکر رکھ لیتا ہے۔ وہ بادشاہ سے کہتا ہے کہ 'مجھے تعجب ہے آپ گھڑ سواری کرتے ہیں مگر کاٹھی اور زین کے بغیر!

بادشاہ: کاٹھی اور زین کیا تم ہمارے لیے بنا سکتے ہو؟

سند باد: مجھے دو تین مزدور دے دیں میں ان کی مدد سے بنوالوں گا۔
سند باد کاٹھی اور زین کسوا کر گھوڑا بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

بادشاہ: سواری کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے انعام واکرام دیتا ہے۔

سند باد: سند باد، وزراء اور دوسروں کے لیے بھی کاٹھی اور زین کسواتا ہے اور کافی روپے کما لیتا ہے اس اثنا میں شہزادی سے سند باد کو پیار ہو جاتا ہے۔ سند باد شہزادی کو گھڑ سواری سکھاتا ہے۔ بادشاہ دونوں کی شادی کر دیتا ہے مگر اس ملک میں یہ رواج تھا کہ مرنے والے کے ساتھ اس کی بیوی یا شوہر کو دفن کر دیا جاتا تھا۔
سند باد بہت کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح وہ ملک چھوڑ دے مگر بیوی راضی نہیں ہوتی۔

سند باد: یہ یہاں کا عجب رواج ہے؟ اس مردہ عورت کے ساتھ یہ لوگ اس شخص کو کہاں لیے جا رہے ہیں۔

بیوی: یہاں مرد کے ساتھ عورت اور عورت کے ساتھ مرد کو زندہ غار میں پھینک دیا جاتا ہے۔ کہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھورے ہیں اور ایک کے بنا دوسرے کو جینے کا کوئی حق نہیں۔

سند باد: بے شک مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد کا ہونا ضروری ہے لیکن موت پر کس کی اجارہ داری ہے۔ میں اور تم ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں مگر خدا نا خواستہ میں کل مرجاؤں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تمہیں بھی میرے ساتھ زندہ دفن ہونا چاہئے زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ زندہ آدمی کو غار میں مردہ کے ہمراہ پھینک دیں۔

بیوی: یہاں صدیوں سے یہی رسم چلی آرہی ہے اور اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔

سند باد: کیا تم بھی اسے صحیح سمجھتی ہو۔

بیوی: سوال صحیح اور غلط کا نہیں سوال اس رسم کو مان کر اس پر چلنے کا ہے۔

سند باد: لیکن جو رسم زندہ انسان کو درگور کرے۔ میں اسے نہیں مانتا نہ ہی اس پر چلنا چاہتا ہوں۔

بیوی: لیکن ہم اس سماج سے علاحدہ نہیں ہیں۔

سند باد: میں تو ہوں۔

بیوی: مجھے اپنانے کے بعد اب آپ بھی علاحدہ نہیں رہے مجھے بیاہ کرنے کا مطلب یہی تو تھا کہ آپ نے ہمیں اور ہمارے رسم و رواجوں کو اپنا لیا ہے۔

سند باد: کیا تم میرے ساتھ بھاگ چلوگی۔

بیوی: (ہنستی ہے) جنہوں نے یہ اصول بنائے ہیں اور جو ان کے محافظ ہیں کیا وہ ہمیں تمہیں یوں آسانی سے نکلنے دیں گے۔

سند باد: آخر ہم بھاگ کیوں نہیں سکتے۔

بیوی: اس شہر کے چاروں طرف سحر باندھ رکھا ہے، اگر ہم نے بھاگنے کی کوشش کی تو پکڑ لیے جائیں گے اور پھر ان آدم خوروں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ جہاں سے آپ بچ کر آئے تھے۔ یہاں سے جنگل تک نکلنے کا کوئی راستہ نہیں، بہتر یہی ہے کہ آپ ان باتوں کو بھول کر جتنے دن زندگی کے ہیں اسے ہنسی خوشی گزار دیں۔

سند باد: مجھ سے یہ سب دیکھا نہیں جاتا اور میں سوداگر ہوں۔ سفر میری رگوں میں رچا

بسا ہے میں ایک جگہ نہیں رہ سکتا اور اگر رہوں گا تو ظاہر ہے خوشی سے نہیں رہوں گا۔ نفرت ہونے لگی ہے مجھے اُن سب لوگوں سے، جو ایسی قبیح رسم کو مانتے ہیں۔

(بیوی بہت چاہتی ہے کہ سند باد کا کسی طور دل بہل جائے مگر وہ اُداس اُداس رہتا ہے اور بیوی کو شوہر کا غم کھانے لگتا ہے اس میں وہ بیمار ہو جاتی ہے اور مر جاتی ہے۔)

(رسم کے مطابق سند باد کو مع لذیذ کھانوں اور زیورات کے غار میں مردہ بیوی کے ساتھ ڈھکیل دیا جاتا ہے اندر لاشیں ہی لاشیں ہوتی ہیں۔ دو تین روز ان لاشوں میں کٹ جاتے ہیں کھانا بھی ختم ہو جاتا ہے پانی ختم ہونے لگتا ہے ایک روز ہلکی سی روشنی میں سند باد کو کوئی شئے بھاگتی نظر آتی ہے سند باد ایک بڑی سی کسی مردے کے پیر کی ہڈی لے کر اس کے پیچھے بھاگتا ہے۔

اسے تعجب ہوتا ہے کہ وہ کوئی مردہ خور جانور ہے جو ایک تنگ راستے سے اسے دیکھ کر بھاگے جا رہا ہے، سند باد بمشکل اس راستے پر چلتا جاتا ہے اور آخر آخری سرے پر پہنچتا ہے تو روشنی اور ہوا کا جھونکا آتا ہے یعنی جنگلی جانوروں نے مردے کھانے کے لیے زیر زمین راستہ بنا لیا تھا اور مردہ اٹھا کر لے جایا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ غار میں جتنے مردے ہونا چاہئے تھے سند باد کو نہیں ملے۔ بہر حال سند باد کھلی ہوا میں سانس لیتا ہے اور خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔

وہ پھر واپس اسی راستے غار میں آتا ہے اور پھینکی ہوئی بے شمار دولت اور زیورات اکٹھا کرتا ہے۔ اور ایک اونچے درخت سے دیکھتا ہے تو کنارہ قریب نظر آتا ہے کنارے پر ایک کشتی نظر آتی ہے۔ خدا کا نام لے کر اس میں بیٹھ جاتا ہے۔ بیچ سمندر میں اسے ایک جہاز نظر آتا ہے اس میں اسے پناہ مل جاتی ہے وہ لوگوں کو انعام واکرام دیتا ہے اور واپس بغداد پہنچ جاتا ہے۔

(فیڈ آؤٹ)

سفر مدام سفر

سین ۔ ا

سند باد اپنے گھر میں بیوی کے ہمراہ خوش گپیوں میں مصروف ہے۔

سند باد جہازی: آپ کی وجہ سے ہم یہاں اتنے دِنوں رُک گئے۔

بیوی: عنایت ہے ورنہ آپ کو باندھے رکھنا سب سے مشکل کام ہے۔

سند باد: ہم ایک خوبصورت جہاز بنوانا چاہتے ہیں۔

بیوی: تو کیا جناب کا پھر ارادہ ہے سفر کا۔

سند باد: آپ سفر کی صعوبتیں نہ اٹھا سکیں گی ورنہ ہم آپ کو بھی اپنے ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں۔

بیوی: میں خود چاہتی ہوں کہ آپ سے ایک پل جدا نہ ہوؤں۔

سند باد: میں بہت مضبوط جہاز بنواؤں گا تاکہ وہ ٹوٹ پھوٹ نہ سکے پھر قرب و جوار کے جزیروں سے ہی واپس لوٹ آئیں گے۔

بیوی: اگر میں اکیلی ہوتی تو ضرور چلتی مگر اب میں دو جان ہوں ایسے میں آرام کرنا چاہئے۔

سند باد: بخدا تم نے بتایا نہیں کہ ہم باپ بننے والے ہیں۔

بیوی: جب تک ہمارے یہاں مہمان آ نہیں جاتا تب تک آپ بھی سفر پر نہ جائیں۔

سند باد: ٹھیک ہے مگر ہم جہاز تو بنوانا شروع کر دیں کہ اس میں اپنے بیٹے کو لے کر گھوما کریں گے۔

(خادم آ کر کہتا ہے، خلیل عمران صاحب آئے ہیں۔)

سند باد: انہیں عزت سے بیٹھاؤ ہم آتے ہیں۔

(باہر جا کر)

سند باد: السلام علیکم خلیل عمران۔

خلیل: وعلیکم السلام، سنا ہے تم جہاز بنوانا چاہتے ہو؟

سند باد: ہاں سوچ رہا ہوں کہ کبھی کبھار اپنے خاندان کو بھی ہمراہ لے جاؤں کہ خدا کے فضل سے میں جلد باپ بننے والا ہوں۔

خلیل: مبارک ہو سند باد، مگر آج ایک جہاز جو کہ بیرونی ملک کے تاجر اپنے ساتھ لائے ہیں بکنے آیا ہے دام زیادہ مانگ رہے ہیں مگر ہے ایسا کہ دیکھو تو طبیعت خوش ہو جائے۔

سند باد: تو چلو چلتے ہیں۔

(دونوں جہاز دیکھنے جاتے ہیں۔ سودا کرتے ہیں۔ سند باد جہازی آخر خرید

لیتا ہے اور گھر واپس آتا ہے۔)

(سندباد جہازی گھر میں محوِ گفتگو ہے۔)

سندباد: بیگم ہم نے جہاز خرید لیا۔

بیوی: آپ ہم سے وعدہ کر چکے ہیں کہ جب تک ہماری اولاد نہ ہو جائے آپ سفر نہ کریں گے۔

سندباد: بس ہم قریب کے دو چار جزیروں سے آٹھ دس روز میں واپس آجائیں گے جس طرح گھڑ سوار گھوڑے کو دیکھ کر سواری کیے بنا نہیں رہ سکتا اس طرح ہم بھی جہاز لے کر گھر نہیں بیٹھ سکتے۔

بیوی: ٹھیک ہے پھر تو ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔

سندباد: نہیں بیگم ایسے دنوں میں تمہارا سفر کرنا ٹھیک نہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں جلد آجائیں گے۔

(تبدیلیٔ منظر)

سین ۔۲

سند باد چند خادموں کے ہمراہ سفر کرنا شروع کرتا ہے، ایک جزیرہ پر جہاز رکتا ہے سند باد جائزہ لینے کے لئے نیچے اُترتا ہے۔ ایک گول اونچا گنبد نظر آتا ہے۔ ایک خادم پتھر مارتا ہے۔

سند باد: ارے بے وقوف یہ رخ چڑیا کا انڈا ہے جس کے بچے بھی ہاتھی نگل جاتے ہیں۔ خبردار اسے توڑنا نہیں ورنہ رخ چڑیا ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔

سند باد کے جاتے ہی نوکر چاکر مارے تجسس کے انڈا پھوڑ ڈالتے ہیں اور رخ چڑیا کے بچے کو ذبح کر کے پکانا شروع کرتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں، رنگ رلیاں مناتے ہیں اور رخ چڑیا کے بچے کو بھون بھون کر کھاتے ہیں۔ سند باد جب واپس آتا ہے تو یہ سب دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

سند باد: بے وقوفو! تم لوگوں نے میرا کہنا نہ مانا اب اگر رخ چڑیا یہاں آگئی اور اس نے اپنا انڈا نہیں دیکھا تو وہ ہم لوگوں پر حملہ کر دے گی اور ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ چلو جلدی کرو لنگر کھینچو کہ وہ جہاز بھی الٹ سکتی ہے۔

ملاح: حضور رات کے وقت ہم جانے کونسی سمت نکل جائیں اب تو صبح ہونے کا انتظار کیا جائے اور جو ہو گیا اس کو قسمت سمجھا جائے۔

سب: ہاں حضور اب صبح ہی چلئے ہم لوگوں نے بھی خوب کھا پی لیا ہے اب ہم سے کچھ نہ ہوگا۔

سند باد: بہت پچھتاؤ گے اور اپنے ساتھ مجھے بھی تباہ کر دو گے۔

(تبدیلیٔ منظر)

سین ۔۳

(سند باد رات کو نوادرات احتیاطاً ایک لکڑی کے تختے پر رکھ کر کچھ کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ رکھ کر سو جاتا ہے۔ صبح ہوتی ہے اور صبح ہوتے ہی پھر یکا یک رات کا سا اندھیرا چھا جاتا ہے۔ رخ چڑیا پورے علاقے کو اپنے پیروں سے ڈھانپ لیتی ہے۔ پھر بڑے بڑے پتھر اپنے پنجوں سے اٹھا کر جہاز پر پھینکتی ہے اور جہاز ڈوب جاتا ہے۔ سند باد کود کر اس لکڑی کے تختے پر لیٹ جاتا ہے، بہتے بہتے ایک شاداب جزیرے میں پہنچ جاتا ہے۔ اپنے ساتھ لایا کھانا کھاتا ہے پانی پیتا ہے اور اندر تھوڑا چلتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ یہاں میوہ جات کی فراوانی تھی انگور کے باغات تھے پانی کے چشمے تھے لیکن ایک بھی آدم زاد نظر نہیں آ رہا تھا۔ حیران و پریشان ہوتا ہے۔ آخر دوسرے تیسرے روز ایک چشمہ کے قریب ایک بزرگ کو بیٹھا دیکھتا ہے۔ خوش ہو جاتا ہے اور دل میں سوچتا ہے کہ یقیناً یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو جہاز وغیرہ کے تباہ ہو جانے سے اپنے لوگوں سے بچھڑ جاتے ہیں اور یہ بیچارہ یہاں اکیلا رہ گیا ہے۔

سند باد: سلام علیکم شیخ چچا!

بوڑھا: (سر کے اشارے سے جواب دیتا ہے۔)

سند باد: میں نے کہا شیخ چچا آپ یہاں اکیلے کیا کر رہے ہیں۔

وہ ایک آہ بھرتا ہے اور اشارے سے بتاتا ہے کہ اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر چشمہ کے دوسرے کنارے لے جائے۔

سند باد: کیا آپ کا بھی جہاز ڈوب گیا تھا اور آپ کے پیروں پر چوٹ وغیرہ آ گئی جو آپ چل نہیں سکتے۔ ٹھیک ہے، میں آپ کو وہاں لے چلتا ہوں کہ مجھے آپ

کی خدمت سے ثواب حاصل ہوگا۔ آپ کی دعائیں ملیں گی۔ (سندباد وہاں پہنچ جاتا ہے کندھوں پر بوڑھے کو اٹھائے۔)

سندباد: لیجئے بزرگوار اُتریئے۔

(پیرِ تسمہ پا قہقہے لگاتا ہے اور کس کر سندباد کی گردن اپنے پیروں سے جکڑ لیتا ہے، ہاہاہا......)

سندباد: چچا جان کیا بات ہے کیا آپ کا ارادہ میرا گلہ گھونٹنے کا ہے۔ آخر پیروں کو اتنا کیوں کس رہے ہیں اور یہ آپ کے پیروں میں بہت جان ہے کسی سانڈ کے پیر معلوم ہوتے ہیں میں تو سمجھا تھا یہ بے جان ہیں۔

پیر تسمہ پا: ادھر چلو۔

سندباد: پہلے اُترو اور یہ حکم دینے والے آپ ہوتے کون ہیں؟ (پیر تسمہ پا کس کر گردن جکڑ لیتا ہے۔)

سندباد: ہائے مرا۔ کیا دم ہی نکالو گے؟

پیر تسمہ پا: ہاہاہا......

سندباد: آپ عجب بزرگوار ہیں ایک تو میں نے آپ پر رحم کھا کر آپ کو اپنے کندھوں پر بٹھایا اور آپ ہیں کہ یا تو قہقہے لگاتے ہیں یا حکم چلاتے ہیں کہ یہاں لے جاؤ یا وہاں لے جاؤ کیا مجھے گھوڑا سمجھ لیا ہے۔ مرا جا رہا ہوں، اتریئے نیچے۔

(دونوں میں خوب گتھم گتھا ہوتی ہے۔ سندباد آخر تھک کر خاموش ہو جاتا ہے اور پیر تسمہ پا کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے۔ سندباد کئی مرتبہ کوشش کرتا ہے کہ وہ پیر تسم پا سے نجات حاصل کرے مگر ناکام رہتا ہے۔ آخر نیم جاں ہو کر بالکل اس کا قیدی بن کر رہ جاتا ہے۔ پیر تسم پا کبھی انگوروں کے باغ کی جانب اسے لے جاتا ہے کبھی ٹیلے چڑھاتا ہے کبھی چشموں کی سیر کرتا ہے کبھی جنگلوں میں دوڑائے لیے جاتا ہے۔ کبھی چولہا جلانے کو کہتا ہے اور کبھی مرغیوں کو پکڑ کر کھانا تیار کرواتا ہے مگر سندباد کے کندھوں سے اترتا نہیں۔

سند باد اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے اسے اپنی بیوی اور ہونے والا بچہ یاد آتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ کیا کبھی ان سے ملاقات ہو بھی سکے گی یا نہیں یا وہ یوں ہی ایک روز گر جائے گا اور مر جائے گا۔ لیکن اسے ایک ترکیب سوجھتی ہے اور وہ انگوروں کی شراب بنانے لگتا ہے پھر اسے پی کر مست ہو جاتا ہے سارا سارا دن پیر تسمہ پا کو لے کر گھومتا ہے اور اگر تھک بھی جاتا ہے تو مست نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔ پیر تسمہ پا کا بھی جی چاہتا ہے کہ وہ بھی اس مشروب کو چکھے۔

پیر تسمہ پا: تو جو پیتا ہے وہ کیا ہے؟

سند باد: تجھے کیا کرنا ہے تو جو کہتا ہے میں وہ کرتا ہوں۔

پیر تسمہ پا: میں چاہتا ہوں کہ آج میں بھی وہ مشروب تیرے ساتھ پیوؤں۔ دونوں شراب پیتے ہیں۔ سند باد بہت کم مگر ظاہر کرتا ہے کہ زیادہ پی رہا ہے اور پیر تسمہ پا کو بہت زیادہ پلا دیتا ہے۔

سند باد: آہا کیا مزہ آ رہا ہے جیسے جنت میں پہنچ گئے ہوں۔
(ایک گیت سناتا ہے۔)
اور جام پر جام پیر تسمہ پا کو پلائے جاتا ہے۔

پیر تسمہ پا: (مست ہو کر) اور دے کیا چیز ہے یہ کم بخت ایسا مزہ اور نشہ تو کبھی نہیں ملا لا اور پلا اور پلا۔

سند باد: لے۔

پیر تسمہ پا: اور دے۔

سند باد: اور لے، خوب لے۔

پیر تسمہ پا: ہاہاہا اور پلا اور پلا۔

آخر پیر تسمہ پا بے ہوش ہو جاتا ہے۔ سند باد اسے ایک درخت سے باندھ دیتا ہے اور بھاگ نکلتا ہے۔ کنارے پر اسے ایک جہاز نظر آتا ہے وہ ان لوگوں

تک پہنچ جاتا ہے اپنی رام کہانی سناتا ہے۔

ایک سوداگر: ارے یہ تو وہی پیر تسمہ پا المعروف سمندر کا بوڑھا ہے اس کے چنگل سے تو آج تک کوئی نہیں بچ سکا تھا۔ سند باد تم بہت خوش نصیب ہو۔

دوسرا سوداگر: تمہارا بہت نام سنا ہے سند باد اچھا ہوا تم سے ملاقات ہوگئی آؤ تمہارے نام کا جام صحت پیتے ہیں۔

(سند باد نہا دھو کر کھا پی کر تازہ دم ہو جاتا ہے اور خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ ایک جگہ سے گرم مسالے خریدتا ہے۔ انہیں فروخت کرتا ہے۔ خوب دولت کماتا ہے اور بغداد واپس آجاتا ہے۔)

(تبدیلیٔ منظر)

سین ۔۴

(بغداد میں اپنے لڑکے سے ملتا ہے اور جشن مناتا ہے، بیوی کے ساتھ آرام کی زندگی گزارتا ہے۔)

بیوی: اچھا کیا جو سفر سے توبہ کرلی۔ یہ میرے اور میرے بچے کے حق میں اچھا ہوا۔

سندباد: پیرتسمہ پا یاد آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آجاتا ہے، میں سوچا کرتا تھا کہ شاید کبھی اپنے بیٹے کو نہیں دیکھ پاؤں گا۔ شاید تم سے کبھی نہ مل سکوں گا۔ پھر خدا نے اتنا دے دیا ہے کہ اب اپنے ملک میں آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

(خادم مہمانوں کی آمد کا اعلان کرتا ہے۔)

بیوی: خدا خیر کہیں پھر یہ لوگ آپ کو بہلا پھسلا کر سفر پر نہ لے جائیں۔

سندباد جہازی: تم ہمیں اتنا کچا سمجھتی ہو سفر کا خیال آتے ہی وہ سمندری بوڑھا بھوت کی طرح سر پر سوار ہو جاتا ہے اور میرے قدم رک جاتے ہیں۔ میں ابھی ان لوگوں سے مل کر آتا ہوں۔ (جاتا ہے۔)

ایک تاجر: سلام علیکم (باقی تمام بھی علیک سلیک کرتے ہیں۔)

تاجر: میں کل سراندیپ جا رہا ہوں سوچا آپ کا ساتھ ہو تو میری خوش قسمتی میں اضافہ ہو جائے گا۔ ادھر بہت دنوں سے آپ نے بھی سفر نہیں کیا۔

سندباد: توبہ کرلی ہے۔ بہت سختیاں اٹھائی ہیں۔ اب بہت کما لیا، آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

دوسرا تاجر: شاہین گھر نہیں بناتا پہاڑوں کی چٹانوں میں زندگی بتاتا ہے۔

سندباد: بہت سیر کی خوب کمایا اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔ مزید لالچ کرنا اچھا نہیں۔

ایک اور تاجر: وہ سوداگر ہی کیا جو سفر نہ کرے۔ اگر تم نہ چلے تو بخدا لطف نہیں آئے گا۔ راستہ میں ایک جزیرہ دیکھا تھا جو نوادرات سے بھرا پڑا ہے تم سے بڑا جوہری

کون ہے اس دنیا میں۔ سوچتا ہوں ساتھ چلو تو پتھر نہیں اصل ہیرے اٹھا لائیں۔

سندباد: نوازش ہے مگر جی نہیں چاہتا۔

ایک اور تاجر: ایسا ہو سکتا ہے کہ سندباد سفر کے بارے میں سنے اور نہیں چلے آپ لوگ اپنا کام کر چکے ہیں اب انہیں تیاری کرنے کا وقت دیں۔ کل یہ آپ کو بندرگاہ پر ملیں گے۔

(سب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

ایک تاجر: انشاءاللہ کل بندرگاہ پر ملاقات ہوگی۔

(تبدیلیٔ منظر)
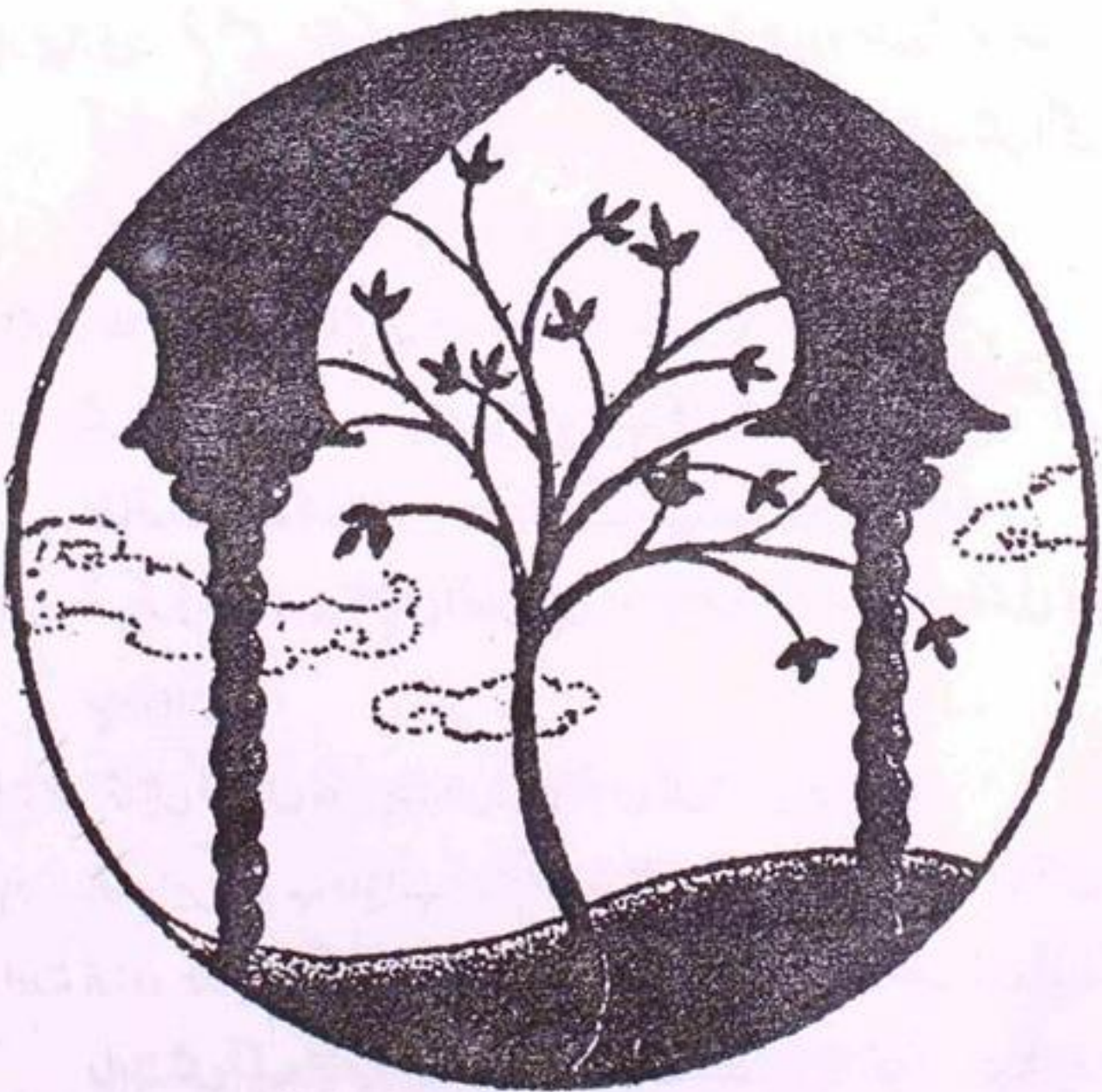
سین ۔ ۵

دوسرے روز سند باد اوروں کے ساتھ سفر پر نکل جاتا ہے۔ راستے میں ایک جزیرے پر جہاز رکتا ہے جہاں انواع و اقسام کے سونے چاندی کے سکّے ہیرے جواہرات ایسے پڑے ملتے ہیں جیسے کسی نے جمع کیے ہوں اور وہاں کا راستہ بھول گیا ہو۔ سب تعجب کرتے ہیں اور سند باد کے کہنے پر اچھی اچھی چیزیں جمع کرتے ہیں اور نکل پڑتے ہیں۔ سراندیپ پہنچنے پر وہاں کے بادشاہ کے دربار میں جاتے ہیں۔

(Interlude)

سین ۔ ٦
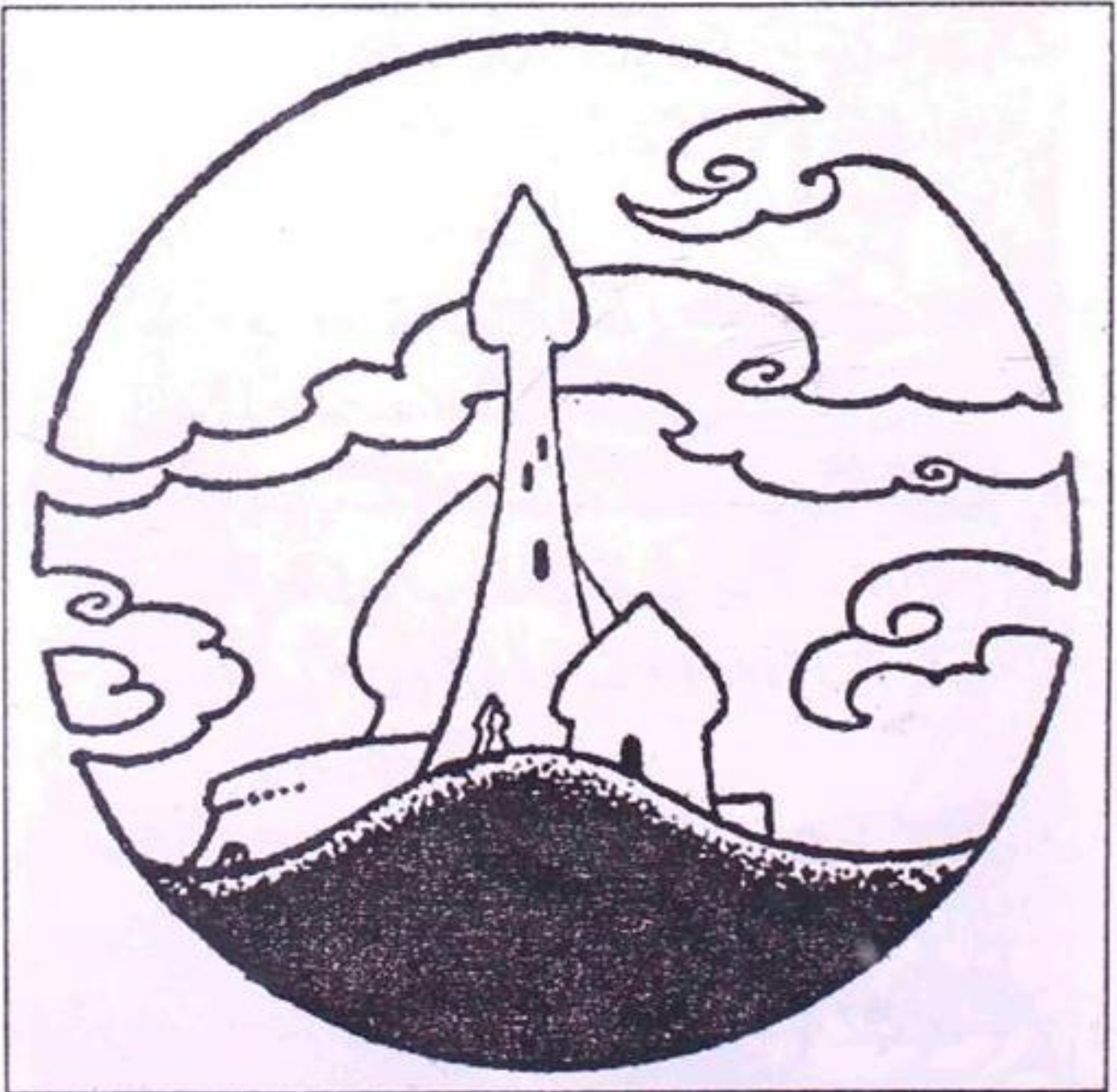
(بادشاہ کا دربار)

سند باد: حضور ہم لوگ تاجر ہیں بغداد سے آئے ہیں۔ میری جانب سے یہ قندیل قبول فرمائیے کہ اسے جب بھی آپ جلائیں گے اس میں سے نغمے پھوٹنے لگیں گے جو دل و دماغ کو راحت پہنچائیں گے اور یہ چند قیمتی پتھر ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔

بادشاہ خوش ہوتا ہے انعام و اکرام دیتا ہے اور ان کے جہاز کو گرم مسالوں سے بھر دیتا ہے۔ وہ لوگ اجازت لے کر رخصت ہوتے ہیں۔

بادشاہ: ہم تمہارے بادشاہ کے لیے ایک تحفہ دینا چاہتے ہیں یہ غالیچہ ہے جو سانپ کی کینچلیوں سے بنا ہے اگر اس کی زد میں ہاتھی بھی آجائے تو ختم ہو جائے گا مگر اس پر بیٹھنے والے کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور ہاں، یہ لفافہ خلیفہ ہارون رشید کی خدمت میں پیش کرنا۔

سب رخصت ہو جاتے ہیں۔ بغداد پہنچ کر سند باد پھر دولت کے انبار لگا دیتا ہے اور خلیفہ کی خدمت میں غالیچہ اور لفافہ پیش کرتا ہے۔

ہارون رشید: بیشک سراندیپ کے بادشاہ نے ہمارے لیے بیش بہا تحفہ بھیجا ہے ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی ہماری جانب سے ان کے لیے ایک تحفہ اور ہمارا پیغام لے جاؤ۔

سند باد: حضور کا حکم سرآنکھوں پر لیکن بندہ اب سفر کا ارادہ ترک کر چکا ہے اب مزید سفر کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔

ہارون رشید: سند باد یہ تمہارا ہم پر احسان ہوگا جہاں تم نے اتنے سفر کیے وہاں ایک اور سہی۔ تمہارے سفر کا اہتمام ہم کریں گے جہاز سے لے کر ناخدا تک۔

سند باد: جہاں پناہ کے لیے جان حاضر ہے جو حکم ہو سند باد عربی گھوڑے اور ایک

جادوئی انگوٹھی جس میں تمام جگہ کے حالات نظر آتے ہیں لے کر روانہ ہوتا ہے۔ سراندیپ کے بادشاہ کی خدمت میں خلیفہ کا پیغام اور تحفہ نذر کرتا ہے جس میں غالیچے جام بلوریں وغیرہ شامل ہیں۔

رخصت ہو کر سند باد بصرہ کی راہ لیتا ہے کہ بحری قزاق حملہ کر دیتے ہیں اور سند باد کو غلام بنا کر لے جاتے ہیں۔ پھر اسے شہر کے بازار میں فروخت کرتے ہیں۔

(منظر تبدیل)
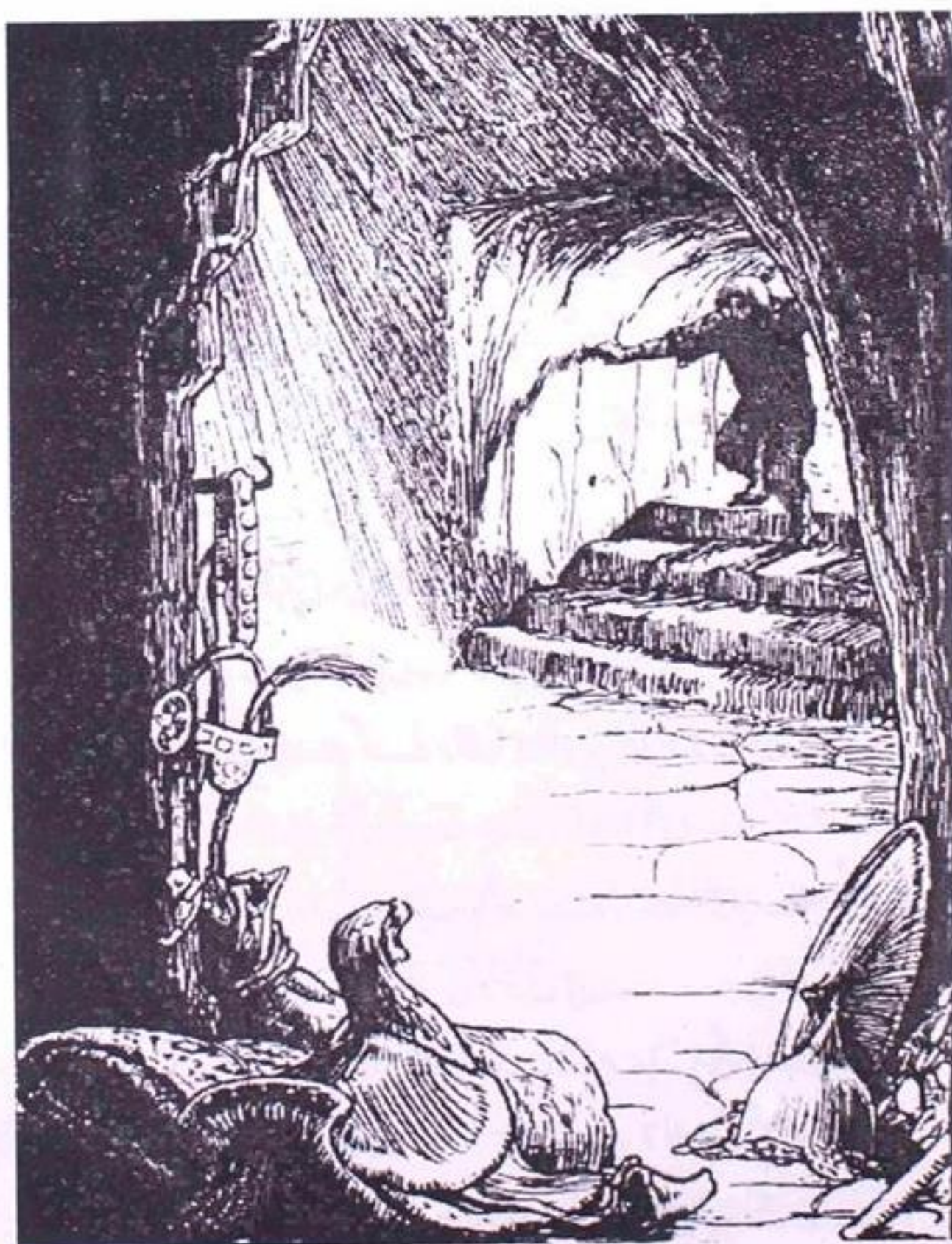
سین ۔ ۷

(بازار میں چہل پہل اور رونق ہے پارچہ جات اور زیورات کی دُکانیں سجی ہیں۔ مٹی کے کوزے گھڑے اور شیشے کے برتن بک رہے ہیں۔ پارچہ جات کی دوکانیں اطلس وکم خواب اور زرق برق پوشاکوں سے پٹی پڑی ہیں۔ خوب گہما گہمی ہے۔ لعلِ بدخشاں، ہیرے جواہرات اور بیش بہا موتی کے زیورات سے الماریاں سجی ہوئی ہیں خوبصورت حسینائیں چہروں پر نقاب ڈالے اٹھلاتی بجلیاں گراتی خریداری میں مصروف ہیں۔ جوان زرق برق پوشاکیں پہنے بعض پیادہ بعض گھوڑوں پر سوار ان جلووں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ بازاروں کے بالائی حصوں پر غلاموں کی منڈی سجی ہوئی ہے۔
چبوترے پر غلام کھڑے ہیں۔ تہد اور مخملیں جیکٹ پہنے سر پر دستار نوجوان اسٹیج پر کھڑے ہیں جن کے گرد جلاد (کیل کانٹوں سے لیس) کوڑے ہاتھوں میں لیے کھڑے ہیں۔
اسٹیج کے سامنے مجمع ہی مجمع ہے۔ لوگ بولیاں لگا رہے ہیں۔ یکے بعد دیگرے جوان پیش کیے جاتے ہیں۔)

تاجر: (غلاموں کی تجارت کرنے والا) بھائی یہ بغداد کا جوان ہے۔ (ایک جوان کو مجمع کے سامنے پیش کرتے ہوئے) ذرا اس کے کسے ہوئے پٹھوں اور بازوؤں پر نظر ڈالیے۔ ایک ہاتھ سے درخت اکھیڑ لے۔ مجمع کی ناقدانہ نظریں اس غلام کے تن وتوش کو ٹٹولتی ہیں۔
ایک امیر گھوڑے پر سوار پکار اٹھتا ہے۔ ''مرحبا'' پانچ ہزار دینار۔

دوسرا امیر: پانچ ہزار پانچ سو دینار۔

تیسرا امیر: ایک مخملیں تھیلی دیناروں سے بھری ہوئی فضا میں لہراتے ہوئے کہتا ہے ''دس

ہزار دینار......"

تاجر: (ٹٹولنے والی نظروں سے مجمع سے مخاطب ہو کر) ہے کوئی اور بولی بولنے والا دلدار......مہربان، قدردان!

جب کوئی جواب نہیں ملتا تو اپنے خادموں کو اشارہ کرتا ہے کہ وہ اس غلام کو اس امیر کے سپرد کر دیں۔ اس طرح اور ایک دو غلاموں کی بولی لگتی ہے۔ دس ہزار دینار میں اور دو غلام بک جاتے ہیں۔ جیسے ہی سند باد جہازی کو پیش کیا جاتا ہے مجمع چلاتا ہے مرحبا مرحبا۔

ایک: دس ہزار۔

دوسرا: بارہ۔

تاجر: بارہ ہزار اور کوئی ہے جو اس نوجوان کو لے جائے جس کا بدن پتھر کی سل کی طرح مضبوط ہے جو ایک مکّے میں دیوار گرا دے۔

تیسرا: پندرہ ہزار۔

(ایک اور امیر سفید گھوڑے پر آتا ہے اور بولی لگاتا ہے۔)

امیر: بیس ہزار۔

تاجر: بیس ہزار تو اس نوجوان کی صورت کی قیمت نہیں ہے۔

(مجمع میں سے ایک) پچیس ہزار!

امیر: تیس ہزار۔

تاجر: ہے کوئی! تیس ہزار تو کچھ بھی نہیں۔

کوئی اور ہے جو دل کھول کر بولے۔

ایک: چالیس ہزار۔

امیر: پچاس ہزار۔

(مجمع خاموش ہو جاتا ہے۔ امیر سند باد کو خرید لیتا ہے دام چکا کے امیر پیچھے مڑ کر ایک خادم سے۔)

امیر: سند باد کو اپنے پیچھے بٹھا لو۔

خادم: جی سرکار (سند باد کو گھوڑے پر بٹھا لیتا ہے۔) خادم راستے میں سند باد کو تسلی دیتا ہے۔

خادم: گھبراؤ نہیں امیر بے حد فراخدل انسان ہے۔ تمہیں محل سرا میں کسی قسم کی تکلیف کا یا بے عزتی کا احساس نہیں ہوگا۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہ لطف وکرم سے پیش آتے ہیں۔

سین ۔ ۸

عالیشان کوٹھی، ایرانی غالیچے، دیوان خانے میں بچھے ہوئے۔ بلوریں شمعیں روشن ہیں کمرہ بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔

امیر: (سند باد سے مخاطب ہو کر) تمہارا نام۔

سند باد: سند باد۔

امیر: سند باد کوئی کام بھی کرتے تھے یہاں آنے سے پہلے۔

سند باد: جی، پیدائشی سوداگر ہوں۔

امیر: سوداگری کے علاوہ کچھ ہنر بھی جانتے ہیں۔

سند باد: حضور آزمائش شرط ہے۔

امیر: تیر و تلوار چلانا بھی جانتے ہو؟ کبھی شکار وغیرہ کیا ہے؟

سند باد: حضور! یہ ہنر بھی کسی حد تک جانتا ہوں۔

امیر: تب تو میاں کام کے آدمی ہو میں تم سے کچھ کام لینا چاہتا ہوں۔ تمہیں جس جنگل میں بھجوا رہا ہوں وہاں بہت سے ہاتھی ہیں۔ تمہارا کام یہ ہوگا کہ میرے لیے ہاتھی مار گراؤ۔

سند باد: ہاتھی مار گرانے کے بعد مجھے کیا کرنا ہوگا۔

امیر: تم واپس لوٹ آؤ گے۔ میرے آدمی آگے کا کام سنبھال لیں گے۔

سند باد: جی حضور! (مؤدبانہ)

(Change Over)

سین ۔ ۹

دوسرے روز سویرے ملازم خاص کے ہمراہ سند باد جنگل کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ جنگل بے حد گھنا ہے جنگلی سوروں، لومڑیوں اور بھیڑیوں سے بھرا ہوا اونچے اونچے قد آور گھنے درخت چاروں طرف پھیلے ہیں۔

(ملازم زہریلے تیر وتفنگ اُٹھائے، چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے۔)

ملازم: حضور یہ جگہ مناسب ہے (ایک گھنے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہیں ہاتھی آتے ہیں قریب کی ندی سے پانی پینے کے لیے۔

سند باد: ٹھیک ہے تم میرے پیچھے والی ڈال پر بیٹھ جانا۔ (دونوں درخت کی اونچی ڈال پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اتنے میں ایک ہاتھی اپنی سونڈ اٹھائے مست ڈولتا ہوا ندی کی جانب آرہا ہے۔ جب وہ درخت کے مقابل پہنچتا ہے تو سند باد اس کی پیشانی پر تیر چلاتا ہے۔ تیر اس کی پیشانی کو درمیاں سے چھلنی کر دیتا ہے۔ دوسرا زہریلا تیر سند باد نے اس کی داہنی آنکھ پر مارا۔ ہاتھی اندھا ہو کر ایک زبردست چنگھاڑ کے ساتھ پاگلوں کی طرح چاروں طرف دوڑتا ہے پھر ایک زبردست چیخ کے ساتھ زمین پر ڈھیر ہو جاتا ہے۔

ملازم: (تقریباً ناچتے ہوئے) واہ استاد واہ! کیا نشانہ ہے۔

سند باد: لیکن اس معصوم جانور نے ہمارا کیا بگاڑا تھا۔ یہ بخدا گناہ ہے۔ آئندہ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ خدا مجھے معاف کر۔

(دونوں درخت سے اتر جاتے ہیں اور جنگل کی جانب چلے جاتے ہیں۔)

سین ۔۱۰

امیر کا محل سرا

(امیر منتظر ہے۔ اسے خبر دی جاتی ہے۔)

خادم: مبارک ہو حضور، ہاتھی کا شکار پہلے ہی روز ہو گیا۔

امیر: یعنی ہم نے پچاس ہزار اشرفیاں دے کر اس غلام کو خریدنے میں غلطی نہیں کی۔

خادم: بالکل نہیں حضور آپ نے تو اشرفیوں کی ٹکسال خرید لی ہے۔

امیر: لیکن سند باد ہے کہاں؟

خادم: یہیں کہیں ہوگا، جائے گا کہاں کہ یہاں آپ کا راج ہے۔

امیر: ٹھیک ہے چار ملازمین لے جاؤ اور ہاتھی دانت نکال کر لے آؤ۔

(Change Over)

(دُوسرے دِن ہاتھیوں کے جنگل میں سند باد غلام سے مخاطب ہے۔)

سند باد: اس ہاتھی کا تم لوگوں نے کیا کیا۔

ملازم: اس کے دانت نکال لیے اور اسے دفنا دیا۔

سند باد: افسوس، صد افسوس...... محض دانتوں کے لیے اتنے اچھے ہاتھی کو مار ڈالا گیا۔

ملازم: ہاتھی دانت کی قیمت ہزاروں اشرفی ملتی ہے۔

سند باد: مگر میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا۔

ملازم: مارے جاؤ گے۔ امیر نے تمھیں پچاس ہزار دینار میں خریدا ہے وہ تم سے پچاس لاکھ دینار کمانا چاہتا ہے۔

سندباد:	وہ مجھ سے چاہے جو کام کروالے لیکن میں بے گناہ ہاتھیوں کو یوں نہیں مارو ں گا۔

یکایک ہاتھیوں کا ایک جھنڈ سامنے سے آتا ہوا نظر آتا ہے اور درخت کو گھیر لیتا ہے جس پر سندباد ایک ملازم کے ساتھ چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے۔ ملازم تھر تھر کانپنے لگتا ہے اس کی گھگی بندھ جاتی ہے۔

ساتھی ملازم: استاد! اب، ک...... کیا...... ہو...... گا؟

سندباد : یاالٰہی مدد، یاعلی مشکل کشا! اب آپ ہی ہمارے مددگار ہیں۔ ایک بڑے سے ہاتھی نے اپنی سونڈ سے درخت کو جکڑ لیا اور جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ سندباد نے ایک شاخ سے اپنے آپ کو لپٹا لیا۔ پیڑ کے گرتے ہی ہاتھیوں کے سردار نے سونڈ سے لپیٹ کر سندباد کو پیٹھ پر بٹھا لیا اور ایک جگہ لے جا کر دھم سے پٹک دیا۔ زمین پر گرتے ہی سندباد بیہوش ہو جاتا ہے۔

جب آنکھ کھلتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ایسی جگہ پاتا ہے جہاں سارے مردہ ہاتھی پڑے ہوئے ہیں۔ سندباد خوش ہوتا ہے کہ ان مردہ ہاتھیوں کے دانت نکالے جا سکتے ہیں اور نئے ہاتھیوں کو مارنے کی ضرورت نہیں رہی وہ اٹھ کر واپس جاتا ہے۔

(Change Over)

سین ۔۱۱

امیر کے گھر میں سندباد کی آمد

امیر: (آگے بڑھ کر...... بے حد مضطرب حالت میں) سندباد خیریت تو ہے۔

سندباد: (نقاہت سے) حضور بال بال بچا ہوں ورنہ آج بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔

امیر: شکر خدا کا! تم بچ گئے خیر فکر کی کوئی بات نہیں حکیم صاحب بہت ماہر طبیب ہیں چند دنوں میں تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔

حکیم صاحب زخموں کی صفائی کرتے ہیں۔ جڑی بوٹیوں سے بنائی ہوئی یونانی دوائیں استعمال کراتے ہیں۔

حکیم صاحب: (امیر صاحب سے مخاطب ہو کر) حضور ایسے مرہم استعمال کیے ہیں کہ انشاءاللہ جلد ہی افاقہ ہوگا۔

(مہمان خانے کا سین)

سندباد کو افاقہ ہو گیا ہے وہ آرام کر رہا ہے۔

امیر مہمان خانے میں تشریف لاتے ہیں۔

امیر: سندباد طبیعت تو بحال ہے؟

سندباد: شکر خداوندی! بہت جلد افاقہ ہو گیا۔ دراصل معالج بے حد ہنرمند ہیں۔

امیر: سندباد جیسا کہ تم نے بتایا کہ بہت سے مردہ ہاتھی تم نے دیکھے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمیں اس جگہ لے چلو جہاں ہاتھیوں نے تمہیں پٹک دیا تھا۔

سندباد: جیسی حضور کی مرضی۔ انشاءاللہ کل صبح ہوتے ہی ہم روانہ ہو جائیں گے۔

سین ۔۱۲

جنگل کا سین

دوسرے روز سویرے امیر مع ملازمین اور سند باد جہازی کے اس جگہ پر پہنچے۔ جہاں بے شمار مردہ ہاتھی پڑے ہوئے تھے۔ اس طرح ہاتھی دانت کا ایک بڑا خزانہ ہاتھ لگ گیا۔

امیر: (خوش ہوکر) مرحبا! تمہاری آمد میرے لیے خوشی کا باعث ہے۔ آج سے تم میرے خاص مصاحب ہو۔ میں نے تمہیں آزاد کیا کہ تم نے مجھے اتنی بڑی دولت عطا کی۔

سند باد: حضور! جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔

امیر: بلا جھجک کہو، تمہاری خواہشیں پوری کی جائیں گی۔

سند باد: حضور! وطن عزیز کی یاد ستاتی ہے وہاں کی ہوائیں پیغام یار لاتی ہیں۔ اہل و عیال سے ملنا چاہتا ہوں۔

امیر: کچھ سوداگر سفر کر رہے ہیں تم انہیں کے ساتھ ہولو۔

سند باد: شکریہ خداوند! میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔

(امیر نے سند باد کو انعام و اکرام سے نوازا۔ سند باد نے رختِ سفر باندھا۔ کچھ سامان تجارت خریدا اور خدا کا نام لے کر جہاز پر سوار ہوا۔)

دیگر سوداگر: خوش آمدید برادرِ دینی۔

سند باد: السلام علیکم برادران! سلام!

جہاز نے لنگر اٹھایا۔ ملازمین اور امیر سند باد سے تپاک سے ملے۔

امیر: (سند باد کو گلے لگاتے ہوئے) برادرم سفر مبارک ہو، خدا حافظ۔ اہل و عیال کو

دعائیں اور بڑوں کو سلام۔

سند باد: (پرنم آنکھوں سے) شکریہ خداوند! اچھا بھائیو! خدا حافظ......

رفتہ رفتہ جہاز امیر اور مصاحبین کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

سین ۔ ۱۳

ہنستے گاتے، دف بجاتے سوداگر کھانا پکاتے۔ خورد ونوش میں مصروف، کچھ شطرنج کھیل رہے ہیں۔ کچھ گنجفہ کھیلنے میں مصروف ہیں۔ جہاز کے عرشے پر کچھ ٹہل رہے ہیں۔ یہاں سے وہاں آجا رہے ہیں۔ راستہ میں چھوٹے چھوٹے جزائر اور ٹاپوؤں پر جہاز رُکتا ہے۔ مال کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ جہاز بصرہ کی سرحد میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں سے جہازی شہر بغداد میں داخل ہوتے ہیں۔ سندباد خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔

سین ۔۱۴

دربار کا سین

دیوان خاص میں خلیفہ ہارون رشید اپنے تخت طاؤس پر رونق افروز ہیں۔ نوکر چاکر اور مصاحبین خدمت میں موجود ہیں۔ فانوس بلوریں ہر جا استادہ ہیں۔ ریشم و اطلس کے پردے اور جھالریں محرابوں میں لگے ہیں۔ زمین پر سارے میں ایرانی قالین مزین ہیں۔ مور کے پروں کے پنکھے لیے ملازمین اور خادم پنکھے جھل رہے ہیں اور دو رویہ مخملیں تختوں پر درباری براجمان ہیں۔ جھاڑ فانوس عنبر و عود کی خوشبوئیں۔ گلاب کا چھڑکاؤ، چنگ و رباب اور سرود کی خوشگوار لہریں فضاء میں تیر رہی ہیں۔ ہر جا گلدانوں میں خوش رنگ پھول لگے ہیں، غرض کہ بے حد خوشگوار منظر ہے۔

بعد قدم بوسی، ناگاہ ایک ملازم آ کر اعلان کرتا ہے۔

ملازم: جہاں پناہ! سند باد جہازی اپنے سفر سے لوٹے ہیں۔ اور حضور کے دربار میں باریابی کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

خلیفہ: (خوش ہو کر) اجازت ہے انہیں پیش کیا جائے۔

سند باد جہازی: (قدم بوسی اور فرشی سلام کرتے ہوئے) کورنش بجا لاتا ہوں حضور۔

خلیفہ: خوش رہو، خوش آمدید، کہو میاں سفر کیسا رہا؟

سند باد جہازی نے مختصراً سفر کی صعوبتیں بیان کیں، خلیفہ نے شکر خداوندی ادا کیا اور اپنے خزانچی کو بلا کر انعام و اکرام اور تحائف گراں سے نوازا۔ سند باد جہازی اپنے گھر روانہ ہوتا ہے۔ وہاں خبر پہنچ چکی ہے کہ سند باد بخیریت اپنے

سفر سے واپس لوٹا ہے۔

(گھر کا سین)

عزیز و اقرباء اہلیہ و بچے منتظر ہیں۔ گھر دلہن کی طرح سجا ہوا ہے۔ جیسے ہی سندباد بگھی سے اُتر کر خاص دروازے میں داخل ہوتا ہے۔ بچے اور بیوی اس سے لپٹ جاتے ہیں۔

(منظر فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔)
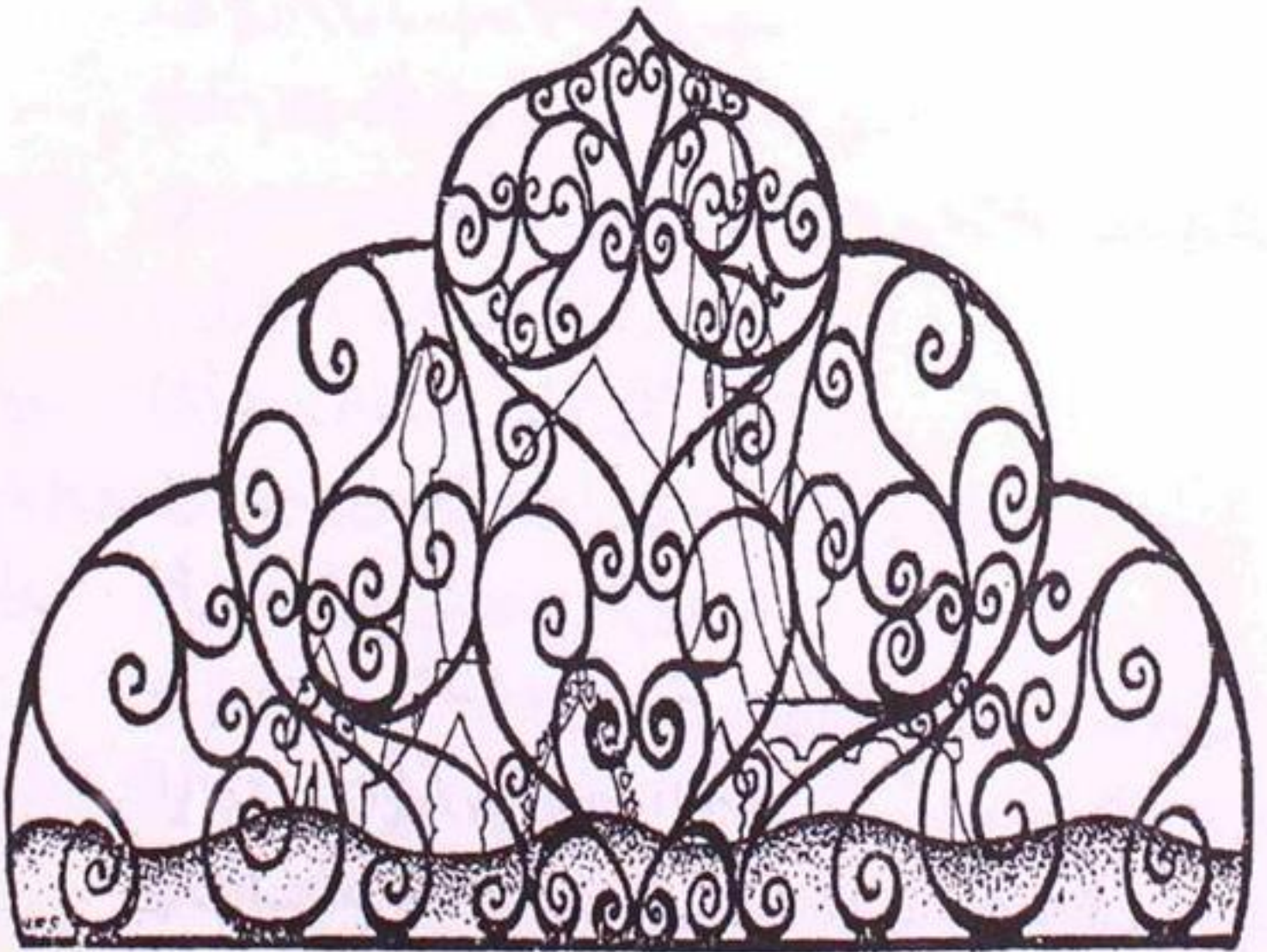
سندباد کے اسفار

خلیفہ ہارون رشید کا انصاف

(خلیفہ ہارون رشید اپنے تخت پر رونق افروز ہیں۔ ان کے پاس وزیر جعفر برمکی کھڑا ہے۔)

خلیفہ: اور سناؤ جعفر برمکی، ہماری مملکت کا کیا حال ہے؟

جعفر: کرم ہے اللہ کا...... سب طرف خیریت اور عافیت ہے۔

خلیفہ: تیری خود اطمینانی کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں۔

جعفر: نہیں اے امیر المومنین مجھے اپنے ان چالیس بھائیوں پر پورا اعتماد ہے جو مملکت کے مختلف عہدوں پر فائز ہیں۔

خلیفہ: حاکم وہی ہے جو سب کے ساتھ عدل کرے...... کیا ہماری مملکت میں کوئی ایسا تو نہیں جس کے ساتھ ہم نا انصافی کر رہے ہوں۔

جعفر: آپ اطمینان رکھیں، مزدوروں کا پسینہ خشک ہونے سے قبل ان کی قیمت ادا کر دی جاتی ہے۔ باہر سے آنے والے اور یہاں سے باہر جانے والے تاجروں سے برابر جزیہ وصول کیا جا رہا ہے اور بیت المال میں جمع کیا جا رہا ہے۔ بیت المال سے غریبوں اور ناداروں کی برابر مدد کی جا رہی ہے۔ قزاق اور راہزن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے ہیں اور تاجر سوداگر منافع کما رہے ہیں...... مگر اتنا ہی...... جتنی شرع اجازت دیتا ہے...... یعنی آٹے میں نمک کے برابر...... اور جو قانون شکنی کرتا ہے اسے شریعت کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔

خلیفہ: تمہارے چالیس بھائی کہیں اپنے حقوق اور عہدے کا ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھا رہے ہیں۔

جعفر: اگر کوئی ایسا کر رہا ہے تو آپ انہیں سزا دینے پر قادر ہیں، آپ خود چل کر تحقیق کریں۔ اگر کوئی گنہ گار ہو تو بے دریغ اپنی تیغ سے اس کی گردن مار دیں۔

خلیفہ: اللہ نے اس زمین پر ہمیں اپنا نائب اس لیے بنا کر بھیجا ہے کہ کسی کے ساتھ نا انصافی نہ ہو۔ کوئی عہدے دار اپنے عہدہ کا ناجائز استعمال اور اپنے فرائض سے کوتاہی نہ برتے۔

جعفر: اے امیر المومنین...... آپ کی خلافت میں ہر طرف سکون، چین اور آرام ہے سوداگر و تاجر مزدور سبھی مطمئن ہیں لیکن اس کے باوجود اگر آپ کے دل میں شبہ ہے تو آپ خود چل کر شہر کا جائزہ لیں۔

خلیفہ: ہاں، یہ شاید بہتر تجویز ہے حاکم سے باز پرس کرنے سے اچھا ہے کہ ہم براہ راست لوگوں سے ملیں اور جس حاکم کی وہ تعریف کریں اسے انعام واکرام سے مالا مال کریں اور جس حاکم نے ان کے ساتھ نا انصافی کی ہو اسے معزول کریں۔

جعفر: آپ بجا فرماتے ہیں، حضور!

خلیفہ: ٹھیک ہے، دن ڈھلتے ہی ہم گشت کے لیے نکلیں گے۔ لیکن اس طرح کہ کوئی ہمیں پہچان نہ سکے اور یاد رہے کہ اس کا پتہ میرے اور تمہارے علاوہ کسی کو نہ چلے۔

جعفر: جی حضور!

(وزیر جعفر برمکی خدا حافظ کہہ کر نکل جاتا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید انہیں جاتا ہوا دیکھتے ہیں تب ہی تالی بجاتے ہیں دو غلام حاضر ہوتے ہیں۔)

کیمرہ کسی بلند مینار سے نیچے اترتا ہے۔ اور اپنے دائرے میں خلیفہ اور جعفر برمکی کو لے لیتا ہے، خلیفہ اور جعفر دونوں سادے لباس میں ملبوس ہیں۔ مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے وہ لوگ ایک باغ کے قریب پہنچتے ہیں تب ہی ایک فقیر کی آواز انہیں سنائی دیتی ہے جو نہایت دردناک آواز میں کوئی گیت گا رہا ہے، گیت میں شکوہ ہے خلیفہ اور جعفر دونوں چونکتے ہیں۔

خلیفہ: یہ...... یہ آواز...... کس کی...... کس کی ہو سکتی ہے؟

جعفر: کوئی مجنوں ہوگا۔

خلیفہ: مجنوں، نہیں اس آواز میں سر تال اور لے کا نشیب و فراز بتاتا ہے کہ یہ مجنوں نہیں۔

جعفر: پھر ہو سکتا ہے شاید کوئی گویا ہو۔

خلیفہ: چہرے کی طرح آواز بھی دل کا آئینہ ہوتی ہے اس کی آواز میں جو درد اور

کرب ہے وہ پیشہ ور گویوں کا سوز نہیں۔ یہ آواز دل کے نہاں خانوں سے ابھر رہی ہے۔ چلو اس طرف چل کر دیکھتے ہیں۔ آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز کا چہرہ بھی دیکھ لیں۔

جعفر: چلئے حضور!

خلیفہ: مجھے خوف ہے۔

جعفر: خوف، کس چیز کا حضور!

خلیفہ: اس کے دکھوں کا سبب کہیں ہم نہ ہوں...... اس کا یہ درد بھرا شکوہ ہمارے نام منسوب نہ ہو۔

(دونوں اس بوڑھے کے قریب جاتے ہیں۔)

جعفر: اے بوڑھے، اندھیرے میں بیٹھا کیا کر رہا ہے؟

بوڑھا: تو یہاں کیوں آیا ہے۔ چلا جا...... ارے کھڑا کیوں ہے۔ چلا جا...... دور ہو جا میری نظروں سے (بے انتہا غصے میں)

جعفر: تیری عمر تیرے چہرے کی جھرّیاں اور بالوں کی سفیدی میری شمشیر کو نیام میں رکھنے پر مجبور ہے ورنہ......

بوڑھا: تلوار کا زور کس کے سامنے جتا رہا ہے تیری اس تلوار سے وہی ڈرے گا جس کو زندگی سے پیار ہو جس میں جینے کی ہوس باقی ہو میں تو ایک سانس لیتی ہوئی لاش ہوں۔ مجھے تلوار سے نہ ڈرا...... چلا جا یہاں سے۔

خلیفہ: اے بوڑھے تیرا غصہ بجا ہے ہمیں معاف کر کہ ہم نے بے وجہ تجھے پریشان کیا مگر تیری آواز کے جادو نے ہمیں اسیر کر لیا...... اور ہم تیرے پاس کھنچے چلے آئے۔

بوڑھا: کاش...... ندی کی مچھلیوں کی قوت سماعت بھی ہوتی! تمہاری طرح حساس ہوتیں— تو شاید...... (سوچتا ہے) تم لوگ کون ہو؟

خلیفہ: ہم لوگ مسافر ہیں مگر ایک بات بتا اے درویش — میں جانتا ہوں کہ تو پیشہ ور گوّیا نہیں ہے تو پھر آخر کون سا دکھ ہے کون سا غم ہے جس نے تجھے یہ گیت گانے پر مجبور کیا۔

بوڑھا: میں بہت غریب آدمی ہوں صبح سے گھر سے نکلا ہوں تا کہ اپنے بال بچوں کے لیے دو وقت کی روٹی جٹا سکوں مگر......

جعفر: مگر...... مگر کیا۔

بوڑھا: مگر لگتا ہے آج بھی ان کے نصیب میں فاقہ ہی لکھا ہے۔

جعفر: نصیب، نصیب کو کیوں کوستا ہے بوڑھے...... یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھنے سے آج تک کسی کو کچھ ملا ہے جو تجھے ملے گا تو کیا سمجھتا ہے تیرے ان گیتوں کو سن کر ہم چلے آئے تو روٹیاں بھی آسمان سے ٹپکنے لگیں گی۔

بوڑھا: تم سچ کہتے ہو نوجوان — بغیر کوشش کے ایک لقمہ بھی نصیب نہیں ہوتا لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی کشتی کے بادبان کاٹ کر خود کو مقدر کی لہروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ اپنی کشتی ہوا کے دباؤ اور پانی کے بہاؤ کے خلاف چلائی ہے۔ میں جسم و جاں سے اپنی کوششوں کے جال پھینک رہا ہوں مگر ہر بار جال خالی ہاتھ لوٹ آتا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ اب جسم میں اتنی بھی قوت نہیں کہ جال کو اٹھا سکوں۔ ایک طرف بھوکے بال بچے اور دوسری طرف بے مروت دجلہ کا پانی — اس لیے...... گیت گا کے بھوک کو بہلا رہا تھا۔

خلیفہ: تو تم ماہی گیر ہو......

جعفر: تو پھر گیت کیوں گاتے ہو۔ جاؤ، اللہ بڑا کارساز ہے وہ ضرور رزق دے گا۔

بوڑھا: بے شک — اس امید پر میں صبح سے بدحال بھٹک رہا ہوں اور سانسیں کھینچ رہا ہوں — آخر اس کی رحمت کا یقین اور خودکشی حرام نہ ہوتی تو کب کا خود کو

قبر میں دفن کر دیا ہوتا۔

خلیفہ: مایوسی کفر ہے۔ ہمارے ساتھ آؤ اور ایک بار پھر اپنی قسمت کا جال سمندر میں پھینکو — اور جو کچھ بھی جال سے نکلے گا اسے میں سو دینار میں خرید لوں گا۔

بوڑھا: سو دینار میں! (خوش ہو کر)

جعفر: ہاں، ہاں — سو دینار میں...... اب جال پھینکو۔

بوڑھا: تمہیں اس پورے شہر میں اور کوئی نہیں ملا اس غریب کمزور اور بوڑھے کے سوا — جاؤ...... مذاق کرنا ہے تو کسی اور کے ساتھ کرو۔

جعفر: کیا بکتا ہے ہم تیرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔

خلیفہ: اے بوڑھے۔ یہ دیکھ سو دینار — اب تم جال پھینکو اگر اس میں ایک مچھلی بھی پھنسے گی تو اسے میں سو دینار میں لے لوں گا۔

بوڑھا: کہیں تم وعدہ سے مکر تو نہیں جاؤ گے؟

خلیفہ: خدا اور اس کے رسول کو گواہ کرتا ہوں۔

بوڑھا: (جال اُٹھانے جاتا ہے پھر پلٹ کر) لیکن اگر ہر بار کی طرح اس بار بھی جال خالی ہاتھ لوٹ آیا تو —

جعفر: تو — تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟

خلیفہ: نہیں۔ تم جال پھینکو۔ اس میں کچھ آئے یا نہ آئے۔ تمہیں سو دینار مل جائیں گے اب جال پھینکو۔

(تینوں بات کرتے ہوئے دجلے کے کنارے پہنچ جاتے ہیں اور پھر تینوں اللہ اکبر کہہ کر دجلے کے کنارے سے جال اچھالتے ہیں۔)

بوڑھا: مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی مچھلی پھنسے گی۔

خلیفہ: میں نے کہا نا...... مایوسی کفر ہے اللہ پر بھروسہ رکھو وہ بڑا مہربان اور رزق دینے والا ہے۔

جعفر: اور پھر کچھ جال میں پھنسے یا نہ پھنسے تمہیں تو سو دینار یوں ہی مل رہے ہیں، اب اللہ کے رحم و کرم پر ایمان رکھو۔

بوڑھا: اس کی مہربانی اور رحم پر ہی تو زندہ ہیں ورنہ یہ زندگی جس طرح بیت رہی ہے اس کا یقین ہے کہ موت اس سے کہیں بہتر ہوگی۔

(جعفر اور بوڑھا مل کر جال کھینچتے ہیں۔)

بوڑھا: لگتا ہے کوئی بڑی مچھلی پھنسی ہے۔

(خلیفہ، جعفر اور بوڑھا — تینوں مل کر جال کھینچتے ہیں جال میں ایک صندوق پھنسا ہوا ہے تینوں اس پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔)

بوڑھا: کیا ہے؟

جعفر: کیا تجھے دکھائی بھی نہیں دیتا — یہ صندوق ہے۔

بوڑھا: مگر اس میں کیا ہوگا؟

جعفر: پتہ نہیں شاید خزانہ ہوگا یہ لے تیرے سو دینار اور چلا جا۔

بوڑھا: لیکن مجھے سو دینار نہیں چاہئے۔

جعفر: کیوں نہیں چاہئے۔

بوڑھا: اگر اس میں سے قیمتی ہیرے جواہرات نکلے تو — وہ تم دونوں لے اڑو گے مجھے اس میں برابر کا حصہ چاہئے۔

خلیفہ: ارے مگر صندوق کھلنے سے پہلے ہی تم طمع کرنے لگے اس میں خزانہ کیوں کر ہوسکتا ہے دیکھ رہے ہو کتنا سڑ گل گیا ہے۔ بہتر ہے سو دینار تجھے مل رہے ہیں نا۔ انہیں لے کر اپنا کام چلا۔

بوڑھا: نہیں میں دیکھنا چاہتا ہوں اس میں کیا ہے؟

جعفر: دکھائی نہیں دیتا۔ یہ تو مقفل ہے۔

بوڑھا: تو ہم لوگ بھی تین ہیں۔ اس قفل کو توڑنا کیوں کر مشکل ہے۔

(تینوں مل کر قفل کو توڑتے ہیں اس میں سے ایک عورت کی لاش برآمد ہوتی ہے جس کا سر غائب ہے۔ تینوں یہ دیکھ کر حیرت میں ڈوب جاتے ہیں۔)

خلیفہ: اب کہو...... تو نے کیا کہا تھا۔ اب تو کیا چاہتا ہے اس لاش کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

جعفر: اب چلا جا۔ تجھے ایک اشرفی بھی نہیں ملے گی۔

بوڑھا: لیکن تم نے خدا اور اس کے رسول کو گواہ رکھ کر کہا تھا کہ تم مجھے سو دینار دو گے۔

خلیفہ: میں اب بھی اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ مگر تو وعدے سے پھرا ہے۔

بوڑھا: میری حالت پر رحم کرو۔ میرے بچے بھوک سے بلبلا رہے ہوں گے۔

خلیفہ: رزق کا تعلق مجھ سے نہیں رزاق سے ہے۔ جعفر اسے سو دینار دے دو۔
(جعفر سو دینار دیتا ہے بوڑھا خوش ہوتا ہے۔)

بوڑھا: بہت بہت شکریہ، اجنبی مسافروں — کیا میں تمہارے نام جان سکتا ہوں۔

خلیفہ: مسافروں کے نام نہیں ہوتے۔ جا جلدی جا۔ تیرے بچے تیرے منتظر ہوں گے اور...... خدا کی قسم زر خدا نہیں۔ مگر اس میں خدا ہونے کے تمام اوصاف موجود ہیں۔ یہ وہ حسینہ ہے جو بڑے سے بڑے متقی کے ایمان کو ڈگمگا دیتی ہے۔ مگر یہ کس عورت کی لاش ہو سکتی ہے۔

جعفر: کوئی حرافہ ہو گی۔

خلیفہ: تم اتنے یقین سے کیوں کر کہہ سکتے ہو؟ کیا تم اسے جانتے ہو؟

جعفر: نہیں، اس طرح کا انجام کسی حرافہ کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے؟

خلیفہ: (غصے سے) جعفر برمکی بہتان تراشنا تمہارے جیسے وزیر کا شیوہ نہیں۔ کم سے کم اس مردہ عورت کو تو نشانہ نہ بناؤ جو من گھڑت جھوٹے الزامات کا جواب دینے کے لیے زندہ نہیں ہے۔

جعفر: معافی چاہتا ہوں حضور!

خلیفہ: تو کہہ رہا تھا کہ ہماری مملکت میں ہر کوئی آرام اور سکھ سے ہے کیا یہی چین، آرام اور سکھ ہے کہ ایک بوڑھا بھوک سے مجبور ہو کر کھلے عام خدا سے شکوہ کر رہا ہے۔ اور بیت المال انتظامیہ کی قوت سماعت اس قدر بے حس ہو چکی ہے کہ وہ آواز ان کے کانوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکی۔ کسی ظالم نے اس بہیمانہ طریقے سے ایک عورت کی گردن تن سے جدا کر کے صندوق میں ڈال دی۔ اگر یہی حال رہا تو یہ سوچو قیامت کے دن میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ میدانِ حشر میں جب یہ سارے مقتول میرا دامن پکڑ کر سوال کریں گے کہ تیری خلافت میں ہم سب پر یہ مظالم ہوئے...... تو میں انہیں کیا جواب دوں گا۔ اور اس سب کے لیے تو ذمہ دار ہے اور تیرے چالیس بھائی کہ انتظامیہ کی ساری کنجیاں تیرے اور ان کے پاس ہیں۔ اس لیے جا اور اس عورت کے خونی کا پتہ لگا۔

جعفر: لیکن حضور ــــ جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ اس عورت کی بغیر چہرے کے شناخت کرنا ممکن نہیں ہے۔

خلیفہ: پھر تو نے یہ کیسے کہہ دیا کہ یہ حرافہ ہے اب تیری جان کی امان اس میں ہے کہ تو اس عورت کے قاتل کو میرے سامنے لا۔

جعفر: لیکن اے امیر المومنین جب اس گردن کٹی عورت کو پہچاننا مشکل ہے تو اس کے قاتل کو کیسے پکڑا جا سکتا ہے جس کی تن سے گردن جدا ہے۔

خلیفہ: یہ تیرا دردِ سر ہے۔ اگر قاتل نہیں پکڑا گیا تو اس کا خون تجھ پر اور تیرے چالیس بھائیوں کے سر ہوگا۔ اس لیے اب اس قاتل کی مشکیں کس کر میرے روبرو پیش کرنا تیری ذمہ داری ہے ورنہ قسم ہے حضرتِ عباس کی اگر اس عورت کا قاتل نہیں پکڑا گیا تو تجھے اور تیرے بھائیوں کو تہہ تیغ کر دوں گا اور

اس کے لیے میں تجھے صرف تین دنوں کی مہلت دیتا ہوں۔ اب جا......

(جانے لگتا ہے) اور سن — تین دن بعد۔ دن ڈھلنے سے پہلے اگر قاتل نہ پکڑا گیا تو محل کے صدر دروازے کے سامنے تیرا اور تیرے چالیس بھائیوں کی زندگی کا سورج سر عام غروب کر دیا جائے گا۔ اب جا — اور قاتل کو پکڑ کر لے آ کہ ہم اسے سر عام پھانسی دے سکیں اور لوگوں کی عبرت کا سامان ہو۔ بصورت دیگر شاہی جلاد تیرے اور تیرے بھائیوں کی گردن کی پیمائش کرے گا۔

(جعفر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا نکل جاتا ہے۔ خلیفہ اس مقتول عورت کو دیکھتا ہے اور پھر صندوق کا پٹ بند کر دیتا ہے۔)

(ایک ڈھنڈورچی گردن میں بڑا سا ڈھول لٹکائے آتا ہے اور کسی اونچے چبوترے پر جا کر ڈھول پیٹتا ہے۔ لوگ اس کے اردگرد آ کر جمع ہو جاتے ہیں۔)

ڈھنڈورچی: سنو، سنو، سنو — زمین اللہ کی، حکم خلیفہ کا، ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دجلہ کے دریا میں جو زنانہ لاش ملی ہے اس کے قاتل کو پکڑنے کی ذمہ داری جعفر برمکی کو دی گئی ہے۔ آج سے ٹھیک تین دن بعد دن ڈھلتے ہی اس قاتل کو محل کے صدر دروازے پر پھانسی دی جائے گی۔ تاکہ دوسرے لوگ عبرت پکڑیں، لیکن اگر وزیر مملکت جعفر برمکی اس قاتل کو پکڑنے میں ناکام رہے تو اس وزیر کو مع اس کے چالیس بھائیوں کے سرعام سُولی پر لٹکایا جائے گا۔ ہر خاص و عام کو یہ عبرتناک منظر دیکھنے کی دعوت دی جاتی ہے۔

(یہ اعلان بار بار نقارہ پیٹ کر بہ آواز بلند کیا جاتا ہے۔)

کیمرہ کے ذریعہ میں ہم دکھاتے ہیں کہ جعفر برمکی اور اس کے چالیس بھائی

مختلف لوگوں سے مل رہے ہیں تا کہ قاتل کو جلد از جلد گرفتار کر سکیں۔ اس میں ایک بھی مکالمہ نہیں ہے۔ مونتاژ کی تکنیک کا استعمال کیا جاتا ہے۔
فیڈ آوٹ کے ساتھ ہی کیمرہ دوسرے مقام پر منتقل ہو جاتا ہے۔
ایک کانفرنس ہال جیسا کشادہ مقام ہے۔ جعفر برمکی اپنے چالیس بھائیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔

جعفر برمکی: ہماری زندگی اور موت کے درمیان صرف آج کا دن باقی ہے اور یہ فاصلہ بھی لحہ بہ لمحہ سمٹتا جا رہا ہے۔ آج اگر دن ڈھلنے سے پہلے ہم نے اس عورت کے قاتل کی مشکیں نہیں کسیں تو ہماری موت واجب ہے۔ اس لیے جاؤ۔ اور ہر اس جگہ کو چھان مارو جہاں وہ قاتل چھپا ہوا ہے۔ اس عورت کی لاش ہمارے سامنے ہے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ اس کا قاتل بھی ہے۔ اور اگر وہ ہے تو اس زمین اور آسمان کے درمیان ہی کہیں ہے۔ اس کو ڈھونڈ نکالو کہ ہماری سانسوں کی ڈور اس قاتل سے بندھی ہوئی ہے۔ جاؤ زمین کا چپہ چپہ کھنگال ڈالو لیکن دن ڈھلنے سے پہلے لوٹ آؤ۔
(سب لوگوں کے چہرے تمتما رہے ہیں۔)

جعفر: میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جاؤ، اس عورت کا قاتل دجلہ ندی کے آس پاس ہی کہیں ہوگا۔
(سب نکل جاتے ہیں۔ جعفر بے چینی سے ٹہلتا ہے۔)

(تبدیلی منظر)

(سورج ڈھلنے کے قریب ہے۔ چاروں طرف لوگوں کی بھیڑ ہے۔)
(خلیفہ کا دربار)

خلیفہ: تمہاری جھکی ہوئی گردنیں اور بجھے ہوئے چہرے تمہاری ناکامی کا ثبوت ہیں

اور تمہاری ناکامی تمہاری موت کا اعلان ہے۔ تمہیں جتنی معیاد دی گئی تھی وہ اب قریب الختم ہے۔

سب: ہمیں معاف کردیں...... اے امیر المومنین۔

خلیفہ: جو حاکم مظلوموں کے ساتھ عدل کرنے میں ناکام ہوا سے موت کو قبول کرنے میں کوئی، ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے۔ اس لیے آگے بڑھو اور اپنی ناکامی کو قبول کرو— اور موت کو بھی۔

(تب ہی بھیڑ کو چیرتے ہوئے ایک نوجوان آگے بڑھتا ہے۔)

نوجوان: اے امیر المومنین— میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

خلیفہ: اگر تم فریاد کرنے آئے ہو تو یہ اس کا موقع نہیں۔

نوجوان: میں فریاد کرنے نہیں بلکہ اپنے گناہوں کا اقرار کرنے یہاں آیا ہوں۔

خلیفہ: گناہ— کون سا گناہ؟

نوجوان: قتل کا— میں اسی قتل کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

خلیفہ: بے دریغ کہو—

نوجوان: جس قتل کی پاداش میں وزیر مملکت اور اس کے چالیس بھائیوں کو پھانسی دی جا رہی ہے وہ قتل میں نے کیا ہے۔

خلیفہ: کیا؟

(سب چونکتے ہیں۔ سرگوشیاں، شور، کاناپھوسی)

خلیفہ: تُو کیا کہہ رہا ہے۔ تیرے ہوش تو ٹھکانے ہیں؟

نوجوان: جی ہاں، اب میرے ہوش ٹھکانے آگئے ہیں اگر میں غصہ کو قابو میں رکھتا تو شاید یہ قتل نہیں ہوتا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ہوش وحواس میں کہہ رہا ہوں۔ میں نے اس عورت کو قتل کیا اس لیے مجھے پھانسی دی جائے۔

(لوگوں میں بے چینی— تب ہی ایک بوڑھا آگے بڑھتا ہے۔)

بوڑھا: جھوٹ بولتا ہے یہ نوجوان۔

خلیفہ: اے بوڑھے — تو کون ہے —

بوڑھا: یہ نوجوان سراسر جھوٹ بولتا ہے اس عورت کا قاتل میں ہوں۔

نوجوان: امیر المومنین — یہ جھوٹ بول رہا ہے۔

بوڑھا: اس عورت کا قاتل سوائے میرے اور کون ہوسکتا ہے اس لیے اس عورت کے قتل کی پاداش میں مجھے پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا جائے۔

نوجوان: جھوٹ بول رہا ہے امیر المومنین۔

خلیفہ: سچ سچ بتاؤ تم دونوں میں سے اس عورت کا قتل کس نے کیا اور ایک بات دھیان میں رکھو جھوٹ تمام گناہوں کی ماں ہے اور اس کے لیے ہماری مملکت میں کوئی معافی نہیں ہے۔

بوڑھا: قاتل میں ہوں خلیفہ۔

نوجوان: قتل میں نے کیا ہے امیر المومنین — اپنے ان ہاتھوں سے اسے میں نے ذبح کیا ہے۔

بوڑھا: جھوٹ — جھوٹ — اسے میں نے قتل کیا ہے۔

جعفر: یہ کیا تماشہ ہے۔ کہیں تم دونوں نے مل کر تو اسے قتل نہیں کیا ہے اگر ایسا ہے تو اے امیر المومنین دونوں کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔

نوجوان: نہیں — یہ قتل میں نے کیا ہے اور اکیلے کیا ہے۔

جعفر: اے امیر المومنین جب دو اقبال جرم کر رہے ہیں تو دونوں کو بیک وقت پھانسی دے دی جائے۔

خلیفہ: لیکن یہ سوچ کہ دونوں یہ کہہ رہے ہیں کہ قتل انہوں نے کیا ہے تو اس کا مطلب ظاہر ہے کہ قتل ان میں سے کسی ایک نے کیا ہے۔ ایک گناہ گار ہے اور بلاشبہ سزا کا مستحق ہے۔ لیکن دوسرا، بے گناہ ہے۔ بے گناہ کو سزا دینا گناہ

کبیر سے کم نہیں۔

جعفر: لیکن پتہ کیسے لگایا جائے کہ اصل قاتل کون ہے جبکہ دونوں ہی......

نوجوان: میں ثابت کرسکتا ہوں کہ قتل میں نے کیا ہے۔

جعفر: کیسے؟

نوجوان: کیوں کہ ـــ مقتولہ میری منکوحہ تھی۔

خلیفہ: منکوحہ......؟

نوجوان: اور ساتھ ہی میری چچیری بہن بھی۔

جعفر: تو یہ بوڑھا کون ہے؟

نوجوان: اس عورت کا باپ اور میرا چچا۔

خلیفہ: (بوڑھے سے) کھا قسم اس پروردگار کی...... جس کے قبضے میں ہم سب کی جان ہے اور اب کہہ کیا یہ نوجوان جو کہہ رہا ہے سچ ہے ـــ؟

بوڑھا: مجھے معاف فرمائیں اے خلیفہ......

جعفر: تو بتا تو نے جھوٹ کیوں بولا۔

بوڑھا: اس کی جوانی پر ترس کھا کر ـــ یہ بھرا پرا نوجوان ـــ اگر ایسی جوانی میں مارا جاتا تو میں اپنے یتیم نواسوں کو کیا منہ دکھاتا ـــ

خلیفہ: اب بتاؤ تم نے اسے قتل کیوں کیا؟

نوجوان: جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ میری منکوحہ تھی۔
اس سے میری دو نرینہ اولادیں ہیں۔ وہ مجھ سے بے پناہ پیار کرتی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں بھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے مجھے تکلیف یا دُکھ پہنچے۔

خلیفہ: پھر تو کیوں اس کے قتل پر مجبور ہوا؟

نوجوان: غصہ ـــ اس غصے نے میرے سوچنے سمجھنے کی تمام قوتوں کو معطل کر دیا تھا۔

میں نے اپنے ان ہاتھوں سے قتل کیا ہے۔ یہ ناپاک ہاتھ ایک معصوم عورت کے مقدس خون سے آلودہ ہیں۔ میرے جسم کا رُواں رُواں اس کا مقروض ہے۔ وہ عورت جس نے میری خدمت کرنے میں اپنی صحت اور تندرستی کا خیال نہ رکھا — کچھ دن پیشتر وہ بیمار پڑی اور ایسی بیمار پڑی کہ بستر سے لگ گئی۔ میں نے بڑے بڑے حکیموں سے اس کا علاج کروایا۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر ہمارے گھر کے پیچھے ایک بڑھیا رہتی تھی جس کے ہاتھوں میں اللہ نے وہ شفا دی تھی کہ وہ جسے چھوتی صحت یاب ہو جاتا۔ مگر وہ جلدی کسی کے گھر نہ جاتی تھی میں نے اس کی کافی منتیں کیں اور کسی طرح اسے گھر لے آیا۔ اس کی دوائیوں سے کچھ افاقہ ہوا۔

نوجوان کے گھر کا منظر (اندرونی)

بڑھیا: دیکھا — میں نہ کہتی تھی اس معجون سے اسے کافی افاقہ ہوا ہے۔ اب کچھ دنوں بعد ہی تیری گلبدن غسلِ صحت لے گی۔

نوجوان: یہ سب تیرے ہاتھوں کا کمال ہے۔

بڑھیا: شرک مت کر۔ ''شفا اس نے دی ہے۔

(آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے)

نوجوان: مگر وسیلہ تو تُو ہی بنی ہے اگر تو...... وقت پر میری بیوی کا علاج نہ کرتی تو......

بڑھیا: کیسی باتیں کرتا ہے، زندگی اور موت، صحت و شفا، سب اس کے ہاتھوں میں ہے ہم تو صرف......

نوجوان کی بیوی: وسیلہ ہیں۔ (ہنستی ہے)

نوجوان: میں تیرا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔

بڑھیا: احسان نہ بھولنے کا کام بعد میں کرنا، پہلے اسے صحت یاب تو ہو جانے دے۔

بیوی: صحت یاب تو میں ہو چکی ہوں۔

بڑھیا: نہیں — تجھے پتہ نہیں تو موت کو چھو کر آ رہی ہے۔ خطرہ ابھی تک پوری طرح ٹلا نہیں ہے۔

نوجوان: پھر، پھر اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟

بڑھیا: کام تھوڑا مشکل ہے لیکن......

نوجوان: تو کہہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟

بڑھیا: جب تک یہ سیب نہیں کھا لیتی خطرہ قائم رہے گا۔

نوجوان: سیب......

بیوی: سیب......

نوجوان: تو فکر نہ کر۔ میں سیب لے آؤں گا۔

بڑھیا: تو جانتا ہے بغداد میں سیب کا ملنا ناممکن ہے۔

نوجوان: اس کے لیے میں دنیا کے دوسرے کونے تک جا سکتا ہوں۔ تو صرف یہ بتا کہ سیب کھانے کے بعد اسے کوئی خطرہ تو نہیں رہے گا۔

بڑھیا: کوئی نہیں، لیکن سیب اس وقت کھلانا جب یہ مکمل طور سے صحت یاب ہو جائے تا کہ مرض دوبارہ حملہ نہ کر سکے۔ اللہ نے چاہا تو یہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گی۔
(بڑھیا نوجوان کی بیوی کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہے اور نکل جاتی ہے۔ نوجوان اور اس کی بیوی گھر میں اکیلے رہ جاتے ہیں۔)

نوجوان: کیا سوچ رہی ہو؟

بیوی: کچھ نہیں......

نوجوان: گل بدن تم بالکل پریشان مت ہو۔ میں کل ہی بصرہ کے لیے نکل جاؤں گا۔

بیوی: نہیں، نہیں — میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ میں آپ کے بغیر — مجھے کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ دیکھو ٹھیک تو ہوں — لیکن اگر آپ چلے گئے تو یہ جدائی

برداشت نہیں کر پاؤں گی۔

نوجوان: ارے گل بدن تم بھی بچوں جیسی باتیں کرتی ہو، میں کوئی سیر کرنے تو جا نہیں رہا ہوں تمہاری صحت یابی کے لیے......

بچہ: ابوّ آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

نوجوان: نہیں بیٹا— تمہاری امی کے لیے دوا لانے جا رہا ہوں۔

بیوی: میری دعا اور دوا تو آپ ہیں۔

نوجوان: لیکن تمہاری صحت اور تندرستی کے لیے یہ سفر ناگزیر ہے، تم نے سنا نہیں اس بُڑھیا نے کیا کہا۔

بیوی: نہیں— نہیں— میں آپ کو جانے نہیں دوں گی۔

نوجوان: تمہاری یہ ضد میرے سفر کو اور دشوار کرے گی۔ تمہارے آنسو میرے پاؤں کی زنجیر بن جائیں گے۔ تم جانتی ہو میں کس قدر ضدی ہوں— اور پھر میری یہ ضد تمہاری صحت کے حصول کے لیے ہے اور میں نے ٹھان لی ہے کہ میں بصرہ جاؤں گا اور کسی بھی طرح وہ سیب حاصل کر کے رہوں گا کہ سیب کی حصولیابی ہی میری زندگی کا واحد مقصد اور زندہ رہنے کا واحد جواز ہے۔

بیوی: لیکن آپ کے بغیر میں کتنی اکیلی ہو جاؤں گی۔

نوجوان: اکیلی کیوں کر ہوگی۔ میرے بچے ہیں اور پھر اپنی ہتھیلی کے نشان میں تمہارے پاس چھوڑ جاؤں گا۔

(بیوی بچوں سے گلے مل کر نوجوان بصرئ کے لیے نکل پڑتا ہے۔)

(Change Over)

(ہم بتاتے ہیں کہ لڑکی اپنے بستر سے لگی کھڑکی کے باہر جھانکتی ہے۔ باہر نوجوان سامان سفر گھوڑے کی پشت پر باندھ رہا ہے اس کے دونوں بچے اس

کے پاس ہی کھڑے ہیں۔ سامان باندھنے کے بعد وہ بچوں کو پیار کرتا ہے اور اپنی ماں کا خیال رکھنے کے لیے کہتا ہے۔ گردن اٹھا کر کھڑکی پر دیکھتا ہے، ہاتھ ہلا کر الوداع کہتا ہے۔ عورت رو رہی ہے اور ہاتھ ہلا کر اسے الوداع کہہ رہی ہے۔ نوجوان گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہے اور گھوڑا دوڑنے لگتا ہے۔

کھڑکی سے بیوی اپنے شوہر کے گھوڑے کو دور جاتا ہوا دیکھتی ہے اور پھر ایک نظر کاغذ کے پرزے پر پھر نوجوان کی ہتھیلی کے نشان کو دیکھ کر زار زار رونے لگتی ہے۔

نوجوان: (خودکلامی میں) ''اور میں سیب کی خاطر بصرہ روانہ ہوا چودہ راتوں اور پندرہ دنوں کے مسلسل سفر کے بعد میں بصرہ پہنچا۔ وہاں بڑی مشکل سے سیب حاصل کیا اور پھر واپس گلبدن کے پاس آیا۔ میری جدائی میں گلبدن سوکھ کے کانٹا ہوگئی تھی۔ سیب آچکے تھے مگر وہ کھا نہیں سکتی تھی کہ اس بڑھیا نے کہا تھا کہ صحت یاب ہونے کے بعد ہی کھلانا اس لیے میں نے سیب ٹھنڈی طاق میں رکھ دیئے اور طاق میں رکھے تینوں سیب گل بدن کے صحت یاب ہونے کا انتظار کرنے لگے — اور پھر ایک دن میں بازار سے گزر رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں۔''

(مونتاژ)

(ہم کیمرے کے سامنے ایک ہاتھ کو بتاتے ہیں جو سیب کو اچھال رہا ہے اور پھر دھیرے دھیرے یہ منظر نمایاں کرتے ہیں کہ سیب ایک حبشی کے ہاتھوں میں ہے جسے وہ اچھال رہا ہے۔ پھر ہم نوجوان کو بتاتے ہیں کہ وہ اس سیب کو گھور رہا ہے اس کے علاوہ بازار کے مختلف لوگ اس سیب کو گھور رہے ہیں۔ جب وہ حبشی چلتے چلتے بازار کے ایک سنسان علاقے میں آجاتا ہے تو نوجوان سیب اس کے ہاتھوں سے چھین لیتا ہے۔ نوجوان حبشی اس پر

ناراض ہوتا ہے۔

حبشی: یہ کیا بدتمیزی ہے سیدھی طرح سے میرا پھل مجھے لوٹا دو ورنہ......

نوجوان: ورنہ کیا کرو گے۔ اگر تمہارے بانہوں میں اتنا دم ہے تو یہ پھل مجھ سے چھین کر بتاؤ۔ ورنہ چلتے بنو۔

حبشی: کیا تجھے اپنی جوانی پر ترس نہیں آتا۔

نوجوان: اپنی جوانی پر تو نہیں مگر تیری نوخیزی پر ضرور رحم آتا ہے۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو چھین لے۔

(ہنستا ہے— دونوں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، تلواروں سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔ بالآخر حبشی غلام کو نوجوان اپنی تلوار سے زیر کر لیتا ہے۔

نوجوان: اب بتا، یہ سیب کہاں سے چرا کر لا رہا ہے؟

حبشی: نہیں، نہیں قسم اس پاک پرودگار کی میں نے چوری نہیں کی۔

نوجوان: پھر کہاں سے آیا یہ...... تجھے پتہ ہے بغداد میں سیب ملنا مشکل ہی نہیں نا ممکن ہے۔ تو پھر تجھ جیسے حبشی غلام کے پاس یہ کیوں کر آیا۔ سچ بتا ورنہ ایک ہی وار میں......

(تلوار اٹھاتا ہے۔)

حبشی: بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں...... یہ...... یہ میری آشنا نے مجھے دیا ہے۔

نوجوان: آشنا نے— کیا مطلب......

حبشی: میری معشوقہ نے۔

نوجوان: جھوٹ— سراسر جھوٹ......

(پیروں پر حبشی غلام گر جاتا ہے۔)

حبشی: میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو زمین پگھل کر موم ہو جائے، آسمان ٹوٹ کر مجھ پر گر پڑے۔ اسے میری معشوقہ نے دیا ہے۔

لیکن اگر تم چاہتے ہو تو...... اسے لے جاؤ۔

نوجوان: تیری معشوقہ بصرہ میں رہتی ہے۔ تو نہیں جانتا یہ بغداد میں نایاب ہے۔ اس لیے یہ سیب کہاں سے لایا۔

حبشی: لیکن یہ سب تم کیوں پوچھ رہے ہو۔

نوجوان: میرے سوال کے جواب میں سوال مت کرو۔ بتاؤ اسے کہاں سے لائے ہو۔

حبشی: میں اپنے آقا کے کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا اور جب لوٹا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری معشوقہ سخت بیمار ہے۔

نوجوان: کیا ہوا تھا اسے؟

حبشی: مجھے نہیں معلوم۔ بس وہ سوکھ کر کانٹا ہوگئی تھی۔ اس کی باتوں سے پتہ چلا کہ وہ میری جدائی میں بیمار ہوگئی ہے۔

نوجوان: کیا وہ کسی کی منکوحہ تھی۔

حبشی: تمہیں کیسے معلوم——

نوجوان: میرے سوالوں کا سیدھا جواب دو کہ اسی میں تمہاری بقا ہے ورنہ......

حبشی: ہاں، یہ سیب اس کا شوہر لایا تھا۔

نوجوان: کہاں سے......

حبشی: بصرہ سے۔ یہ سیب اس نے مجھے دیا اور کہا کہ یہ مجھ سے جدائی کے بعد کی پہلی ملاقات کا خراج ہے۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ اس سیب کی وجہ سے مجھے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنا ہوگا۔

نوجوان: کیا تم نے جو کچھ کہا......

حبشی: صدفی صد سچ کہا۔ خدا کے لیے میرا یقین کرو۔

نوجوان: اچھا اب تم جا سکتے ہو—— لیکن یہ سیب لیتے جاؤ۔

حبشی: نہیں—— نہیں—— اسے تم رکھ لو۔

نوجوان: نہیں، یہ تیری معشوقہ کا تحفہ ہے اسے میں کیوں رکھ لوں، لے جا۔ (اسے سیب دیتا ہے اور اپنی آنکھوں کے آنسو قابو میں رکھنے اور چھپانے کی خاطر پلٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا چہرہ کیمرہ کی طرف ہے۔ اور وہ نہایت غم زدہ ہے۔)

(کیمرے کے فریم میں دروازہ دِکھتا ہے۔ دُوسرے ہی پل دروازہ دھڑ دھڑا کر کھل جاتا ہے۔ دروازے پر نوجوان کھڑا ہے۔ اس کی آنکھیں دیوار سے رینگتی ہوئی طاق پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ جہاں تین سیب رکھے ہوئے تھے۔ نوجوان دیوانہ وار طاق کو ٹٹولتا ہے۔ بیوی چونک کر نوجوان کو دیکھتی ہے۔)

بیوی: کیا ہوا؟

نوجوان: وہ— تیسرا کہاں ہے؟

بیوی: کیا— تیسرا کہاں ہے؟

نوجوان: مکار عورت، سچ سچ بتا اور ایک سیب کہاں ہے؟

بیوی: مجھے نہیں معلوم۔

نوجوان: کتنی بھولی اور معصوم بنتی ہے۔ مجھے پتہ نہیں تھا جسے میں نے چراغ سمجھ کر اپنے دل کی محراب میں سجایا تھا، وہ اندھیرا بانٹنے والا چراغ ہے۔

بیوی: آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ پاگل تو نہیں ہو گئے۔

نوجوان: ہاں، ہاں— میں پاگل ہو گیا ہوں— دیکھ سچ سچ بتا دے۔ میں اس پاک پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں تجھے معاف کر دوں گا۔ اب بھی وقت ہے بتا دے وہ سیب کہاں ہے؟

بیوی: تمہیں سیب کی پڑی ہے۔ میری صحت کا ذرا بھی خیال نہیں؟

نوجوان: بے وفا— بد ذات، مکار عورت۔ میں تیری ان اداؤں کے جال میں پھنسنے والا نہیں۔ تو نے میری محبت میرے پیار کو دھوکا دیا ہے۔ تجھے تو سرِ عام سنگسار

کیا جانا چاہئے۔ لیکن اس سے پہلے کہ میرا غصہ میری گرفت سے آزاد ہوجائے سچ سچ بتا — کہ وہ سیب کہاں ہے؟

بیوی: تم کہنا کیا چاہتے ہو، میں نے تمہارے پیار کو دھوکا دیا ہے۔

نوجوان: دھوکا — ارے تو نے غیر کے بستر پر میری محبت کو ذلیل کیا ہے۔ میرے اعتماد کی پیٹھ میں خنجر گھونپا ہے۔

بیوی: بس۔ بس خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ (چیختی ہے)

نوجوان: جھوٹ کو برتنا کتنا آسان ہوتا ہے لیکن سچ کو سننا کتنا مشکل۔ اب بھی۔ خدا کے لئے۔ سچ سچ بتا دو۔ میں تمہیں زبان دیتا ہوں کہ تمہیں ایک لفظ بھی پلٹ کر نہیں کہوں گا۔ بتا دو۔ وہ سیب تم نے کس کو دیا۔ میں جانتا ہوں مگر تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔

بیوی: (چیخ کر) یا میرے اللہ! بس خدا کے لیے اب خاموش ہو جایئے — یہ سب سننے کے بعد بھی...... یہ زمین کیوں نہیں پھٹ گئی — یہ آسمان کیوں نہیں گر گیا۔ مجھ پر — بجلی کیوں نہیں ٹوٹ پڑی۔ یا اللہ مجھے موت دے......

نوجوان: مکار عورت — اب میں تیرے دام میں پھنسنے والا نہیں ہوں۔

بیوی: مجھے موت دے دو — خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو — اور موت دے دو — اب ایک لمحے کی زندگی کا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتی۔ موت۔ موت اور صرف موت۔

نوجوان: تو زندگی بھر مجھے دھوکا دیتی رہی۔ میری تمناؤں اور خواہشوں اور ارمانوں کا خون کرتی رہی۔ لیکن میں تیری آخری خواہش کا ضرور احترام کروں گا۔ لے تجھے اس زندگی سے نجات دیتا ہوں۔ اللہ اکبر۔

(تلوار ہوا میں لہراتی ہے اور دوسرے ہی پل گردن تن سے جدا ہو جاتی ہے۔)

نوجوان کا چہرہ غصے سے تمتما رہا ہے۔ وہ جھک کر لاش کو دیکھتا ہے۔

کیمرے کی آنکھ دھیرے دھیرے اس نوجوان کے چہرے کے قریب آتی ہے۔

نوجوان: اور میں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جسے میں بے انتہا پیار کرتا تھا۔ اور پھر اس کی گردن کو اپنے گھر کے پیچھے گڑھا کھود کر مٹی تلے دبا دیا...... اور اس کی لاش کو قالین میں لپیٹ کر ایک صندوق میں ڈالا — اور دجلہ کے کنارے چھوڑ دیا۔

(جائے وقوع کی تبدیلی کے ساتھ کیمرہ نوجوان پر مرکوز ہوتا ہے)

ہم دکھاتے ہیں کہ نوجوان اس صندوق کو دریا میں ڈال رہا ہے۔ دریا میں صندوق ڈوب جاتا ہے اور پھر وہ تھکا ہارا دھیمے دھیمے قدم بڑھاتا ہوا چلا آرہا ہے۔ اس سین میں ہم زندگی کی پرتوں کو نوجوان کی زبانی کھلتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کیمرہ ہونٹوں کی حرکت پر فوکس ہے۔

نوجوان: اب زندگی میرے لیے بے معنی تھی — اور شاید موت بھی جب گل بدن کی لاش کو میں دجلہ کے پانی کے حوالے کرنے کے بعد لوٹ رہا تھا — تو ایسا لگ رہا تھا جیسے میں خود اپنی لاش کو پانی میں ڈبو کر آرہا ہوں۔ جی تو چاہتا تھا کہ خود بھی اپنی گردن میں وزنی پتھر ڈال کر دجلہ کے آغوش میں سما جاؤں۔ جہاں گلبدن ہے۔ میری گل بدن — بے انتہا محبت کرنے والی، بے پناہ پیار کرنے والی، مگر بے وفا — مکار — دھوکے باز — اب زندگی میں کوئی رنگ نہ تھا۔ سوائے اپنے معصوم بچوں کے۔ اس کالی اندھیری زندگی میں امید کے چراغ اب صرف وہی تھے۔ میں تھکا ہارا جب اپنے گھر لوٹا تو دیکھتا ہوں کہ میرا بچہ زار زار رو رہا ہے۔

(خود کلامی ختم ہونے تک شام سے رات ہو چکی ہے۔)

جوں ہی نوجوان اپنے گھر کے صحن میں داخل ہوتا ہے اسے رونے کی آواز

سنائی دیتی ہے۔

نوجوان: زید — زید — کیا بات ہے کیوں رو رہے ہو۔

زید: مجھ سے بڑی خطا ہوئی ہے — حضور!

نوجوان: خطا ہوئی ہے۔ ٹھیک ہے۔ انسان ہے ہی خطاؤں کا پتلا — جو انسان خطا نہ کرے وہ انسان ہی نہیں۔ ہر کوئی خطا کرتا ہے اس میں رونے کی کیا ضرورت ہے؟

زید: اماں کہتی تھیں کہ آنسوؤں سے گناہ دھل جاتے ہیں۔

نوجوان: لیکن بعض گناہ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کفارہ ادا کرنا ہی ہوتا ہے۔ پھر بھی اگر تیری ماں کی آنکھوں سے پشیمانی کے دو آنسو بھی چھلک پڑتے تو بخدا وہ اپنے اس انجام کو نہیں پہنچتی۔ اچھا یہ بتاؤ۔ تم کیوں رو رہے تھے کیا خطا ہوئی تم سے —

زید: ابا حضور — طاق میں جو تین سیب رکھے ہوئے تھے۔ اسے اپنے دوستوں کو بتانے کے لیے وہاں سے اٹھا کر لے گیا۔ اور جب میں انہیں بتا کر واپس لا رہا تھا۔ تو ایک کالے کلوٹے شخص نے ایک سیب مجھ سے چھین لیا۔

نوجوان: (جذباتی ہو کر) کیا اس کا ایک کان کٹا ہوا تھا اور اس کا قد اونچا تھا۔

زید: ہاں — بالکل بھالو کی طرح — اس نے میرے ہاتھ سے سیب چھین لیا اور کہنے لگا یہ تجھے کہاں سے ملا؟

نوجوان: تو کیا تم نے اسے بتا دیا۔

زید: ہاں میں نے اس سے کہہ دیا میری ماں بیمار ہے اس لیے میرے ابو اسے بصرہ سے لائے ہیں۔

نوجوان: (مضطرب ہو جاتا ہے) یا اللہ یہ مجھ سے کیا ہو گیا؟ ناحق ایک معصوم با عصمت عورت کا قتل کر دیا۔ وہ کہتی تھی میں بے قصور ہوں، بے گناہ ہوں،

مگر...... میری عقل پر پردہ پڑ گیا۔ میں نے اس کی ایک بات نہیں مانی۔ وہ باعصمت اور پاکیزہ عورت، جو مریم کے آنچل اور زم زم کے پانی کی طرح پاکیزہ تھی، میں نے اس کے دل کو کتنی تکلیف پہنچائی۔ مجھے کیا ہوگیا تھا۔ اس کی آواز کی سچائی کو میں نہیں پاسکا۔ سچ ہے، اللہ نے غصہ ہم پر اسی لیے حرام کر رکھا ہے۔ گلبدن خدا مجھے جو سزا تمہارے خونِ ناحق کی دے گا منظور ہے۔ لیکن میدان حشر میں — میں تم سے آنکھیں نہیں چار کر پاؤں گا۔ میں معافی کے قابل نہیں ہوں۔ لیکن اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ یا اللہ مجھ پر رحم کر۔ میں نے اپنی گلبدن کا خون کیا ہے۔ چاہنے والی، بے انتہا محبت کرنے والی۔ میری ایک مسکراہٹ کے لیے۔ اپنی ساری زندگی داؤ پر رکھنے والی گل بدن کو میں نے کس بے رحمی سے قتل کیا ہے۔

(زارزار رونے لگتا ہے پتھر مارنے لگتا ہے چھاتیاں پیٹنے لگتا ہے۔)

''کیا ہوا ابو— کیا ہوا ابو۔'' کہتے ہوئے دونوں بچے حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ کیمرہ بچے پر زوم ہوتا ہے۔ بچوں کے چہرے سوالیہ نشان بنے ہوتے ہیں۔ اور نوجوان چھاتی پیٹ رہا ہے۔

(سینہ کوبی کرتے ہوئے نوجوان کے تصوّر میں ایک تصویر اور اُبھرتی ہے۔ یہ نوجوان کی ہی تصویر ہے۔ جو خلیفہ کو اپنی کہانی سنا رہی ہے۔)

نوجوان: میں بہت رویا— بہت چیخا— بہت چلّایا۔ سارا سارا دن اور ساری ساری رات رو رو کر میں نے اپنی آنکھیں سجالیں اور چھاتی لال کرلی۔

گناہ کا احساس نوکیلی سوئی کی طرح میرے کلیجے میں پیوست تھا اور میرا پورا وجود اس احساس کی چار دیواروں میں گھٹ کے رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ کیا نہ کروں؟ جی چاہتا تھا کہ اپنی اولاد اس بوڑھے کے حوالے کر کے خود پھانسی پر جھول جاؤں میں نے بوڑھے کو سمجھایا کہ میں خود کو جعفر

برمکی کے حوالے کرتا ہوں اور تو میرے بعد ان بچوں کو سنبھال لینا۔ مگر بوڑھا کسی طرح نہیں مانا۔

بوڑھا: کیوں مانتا۔ پھانسی تو مجھے لگنی چاہئے۔ اگر خون کا بدلا خون ہے تو اس کے لیے میں پھانسی پر جھولنے کے لیے تیار ہوں۔ اے خلیفہ تو اس کی جوانی پر ترس کھا اور اسے معاف کر۔ اس کے بدلے میں پھانسی کے تختے پر جھولنے کے لیے تیار ہوں۔

خلیفہ: تم بے گناہ ہو۔ اور ہماری مملکت میں کسی بے گناہ کو سزا نہیں دی جا سکتی۔

بوڑھا: لیکن اگر اس نے خون کیا ہو تو......

خلیفہ: تم نوجوان کا گناہ اپنے سر لے رہے ہو۔ گنہ گار نہ تم ہو اور نہ یہ نوجوان اگر کسی نے خطا کی ہے تو وہ ہے حبشی غلام — اپنی ایک معمولی سی چوری کو چھپانے کے لیے وہ ایک نیک صفت خاتون کے قتل کی وجہ بنا — جعفر برمکی پتہ لگاؤ وہ حبشی غلام کہاں ہے۔

نوجوان: لیکن غلطی تو میں نے کی ہے اس لیے سزا بھی مجھے ہی ملنا چاہئے۔

خلیفہ: ہم اپنا فیصلہ سنا چکے ہیں — دربار برخاست کیا جاتا ہے۔ (بادشاہ اپنی مسند سے اٹھتا ہے۔ درباری بھی اس کی تقلید میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

(فیڈ آوٹ)

کبڑے کی موت

پرانا زمانہ — ملک چین

(میلے کا منظر)

دُکانیں ہر چیز کی۔ رقص و سرود کا اہتمام۔ رقاصائیں ناچ رہی ہیں۔ ایک رقاصہ بارہ گھنٹے بنا رُکے رقص کا مظاہرہ کر رہی ہے — اور چینی کُشتیوں کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ ایک درزی اور اس کی درزن ٹم ٹم سے اُترتے ہیں۔ دونوں بے حد فضول خرچ ہیں۔ آمدنی اٹھنّی خرچہ روپیہ۔ درزی اکثر

شرطیں لگا کر پیسہ کمانے کے چکّر میں رہتا ہے۔ ٹم ٹم سے اُترتے ہی ٹڈیوں کی دوکان میں گھس جاتا ہے۔ اتفاق سے جس ٹڈے پر پیسہ لگایا تھا جیت جاتا ہے۔ 30 چینی روپے لے کر دونوں مزید فضول خرچی میں لگ جاتے ہیں کہ آج کا دن اچھا ہے۔ سوچ کر درزی رقاصہ کا رقص دیکھتا ہے۔

درزن: کھانا باہر ہی کھالیں گے۔ جاتے جاتے دریا سے مچھلیاں خرید لیں گے بھون دوں گی تمہارے لیے۔

درزی: اللہ کی بندی اتنا اچھا رقص ہو رہا ہے اور تو ہے کہ وہی ہنڈیا چولہا لے کر بیٹھ گئی۔ لے لینا جو کچھ چاہئے اب چین سے گھوم پھر۔

(دونوں خواہ مخواہ چیزیں خریدتے پھرتے ہیں اور دن بھر کی فضول خرچی کے بعد ٹم ٹم میں بیٹھ کر گھر کی جانب چل پڑتے ہیں۔ راستے میں درزن کہتی ہے دریا سے مچھلیاں لینی ہیں۔

درزی: تو بیٹھی رہ میں لے آتا ہوں۔

درزن: نہیں، نہیں تمہیں تازہ باسی کی پہچان نہیں ہے۔ تمہاری پسند بڑی بُری ہے۔

درزی: صحیح کہتی ہو نیک بخت اس لیے تو تم نے مجھے اور میں نے تمہیں پسند کیا۔

درزن: (اونہہ) یہ مذاق بھی بہت باسی ہو گیا ہے۔

(دریا کنارے کبڑا...... بیٹھا گا رہا ہے۔ اپنی منحنی جسامت اور کوتاہ قد کی بنا پر وہ دور سے بچہ نظر آتا ہے) ''ارے یہ کون بچہ یہاں بھول گیا؟''

درزی: یہ تو گا رہا ہے واہ کیا سریلی آواز ہے۔ صدقے جاؤں۔

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن

مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغ چمن

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار

اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن

(گانا ختم ہوتے ہی)

درزی: اودے نیلے پیلے رنگوں سے تو طبیعت ہری ہوگئی۔ واہ کیا گلا ہے کیا گاتے ہو۔ درزی کبڑے کو دیکھتا ہے تعجب سے اس کی بیوی اسے دیکھ کر ہنستی ہے۔

کبڑا: اس ملک میں مسخرے کم اور گویے زیادہ ہوگئے ہیں۔ جبھی تو کوئی شریف آدمی انہیں اپنے محلے میں گھر کرائے پر نہیں دیتا۔

(کبڑا کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور گر پڑتا ہے۔)

دونوں بے تحاشہ ہنستے ہیں۔

درزی: خدا نے عجیب چیز بنائی ہے۔

کبڑا: ہنس لو کہ انسان ہی دوسروں پر ہنس سکتا ہے۔ ابھی بھینسوں کا ایک جھنڈ یہاں سے گزرا تھا۔ ایک بھینس گر پڑی مگر باقی کی بھینسیں جوں کی توں کھڑی رہیں مجال ہے جو ایک بھی ہنسی ہو۔ کافی عقل مند تھیں۔

درزی: بھینس کے پاس عقل کہاں؟ اسی لیے تو کہتے ہیں عقل بڑی یا بھینس؟

کبڑا: ہاں بھائی یہ ایک لمبی بحث ہے اور (ایک گدھے کی جانب اشارہ کرکے) یہ بیچارہ زعفران کا بھاؤ تک نہیں جانتا پھر بھی ضرورت کے وقت اسے باپ بنالیا جاتا ہے۔

درزی: آدمی مسخرے ہو چلو آج کا دن بہت اچھا ہے۔ صبح صبح شرط جیتی ہے آج میری جانب سے تمہاری دعوت ہے۔ آج کی رات ہمارے یہاں شب باشی کرو، کھاؤ پیو...... موج کرو۔

کبڑا: چلو آج راجہ نہ سہی رنک ہی سہی۔

درزی: کیا کہا؟

کبڑا: یہی کہ آپ کی دعوت بندہ قبول کرتا ہے۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

(مچھلیاں لے کر تینوں ٹم ٹم میں بیٹھ کر گھر جاتے ہیں۔)

درزی کا گھر حسب معمول — درزن کئی چیزیں بناتی ہے۔ مچھلی تلی ہوئی ہے۔ صراحی ہے شراب ہے۔ مٹھائیاں ہیں، سب کھانا کھا رہے ہیں۔ کبڑا انڈا منہ میں ڈال کر چوزا نکال کر بتاتا ہے۔ سب ہنستے ہیں کبڑا طرح طرح سے انہیں ہنساتا ہے وہ تھوڑا بہت جادو جانتا ہے۔

کبڑا: بھابھی تم نے مچھلی کمال کی بنائی ایسی مچھلی تو بادشاہ کے گھر میں بھی نہیں کھائی۔

درزی: یار مذاق کی بھی حد ہوتی ہے تو نے پہلے بھی ایسی کوئی بات کہی تھی اب تو کہنا چاہتا ہے کہ تو بادشاہ کے گھر کھانا کھاتا تھا۔ (ہا ہا ہا)

درزن: (ہنستی ہے اور کہتی ہے۔) اچھا تو پھر میرے ہاتھ سے ایک نوالہ کھا لے — اور ایک بڑا سا نوالہ مچھلی کا اسے کھلاتی ہے۔ اس میں کانٹا ہوتا ہے۔ کبڑا الٹی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ درزی اور درزن ہر طرح سے کانٹا نکالنا چاہتے ہیں مگر بے فائدہ اور کبڑا دم توڑ دیتا ہے۔ (وہ اُسے ہلا ڈلا کر دیکھتے ہیں۔)

درزی: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کی موت تمہارے ہاتھ لکھی تھی۔

درزن: مگر اب کیا کیا جائے اگر کوتوال کو خبر ہوگئی تو ہم دھر لیے جائیں گے اور موت کا بدلہ موت ہے یہی یہاں کا قانون ہے۔

درزی: اب تو ہی کچھ سوچ۔

درزن: ایک تدبیر ہے۔

درزی: تو پھر جلدی کہہ بھی۔

درزن: تم اسے بالکل اس طرح چادر میں لپیٹ لو جیسے کہ یہ بچہ ہو میں اس کا منہ رومال سے ڈھانپ دوں گی۔ پھر ہم اسے باہر لے جائیں گے اگر کسی نے

پوچھ تاچھ کی تو کہہ دیں گے کہ ہمارا بچہ بیمار ہے اسے حکیم کے پاس لے جارہے ہیں۔

درزی: اور حکیم مل گیا تو......

درزن: اب اسے گھر سے تو نکالو پھر دیکھا جائے گا۔ دونوں اسے بچے کی طرح گود میں دبا کر نکلتے ہیں۔ راستے میں ایک دو حضرات دریافت بھی کرتے ہیں۔

ایک شناسا: علی خیاط کہاں جارہے ہو یوں بھاگے ہوئے اور رات کا وقت بھابھی بھی تمہارے ساتھ ہے۔ ارے یہ کیا بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں، خیریت تو ہے۔

درزی: ہاں اسے بخار ہے۔ حکیم کو دکھانا ہے۔

شناسا: بھشتیوں کے محلے میں ایک یہودی حکیم بہت قابل ہے۔ کیوں نہ اسے دکھادو۔

درزن: وہ محلہ ہے کہاں......

شناسا: ارے یہ کیا دو گلی چھوڑ کر تیسری گلی میں۔ کسی سے بھی شمیران یہودی حکیم کا پتہ پوچھیں بتادے گا۔

درزی: بہت بہت شکریہ۔

(دونوں حکیم کے گھر پہنچتے ہیں۔ خادمہ دروازہ کھولتی ہے۔)

خادمہ: حکیم صاحب ابھی کھانا کھا کر آرام فرمارہے ہیں۔ آرام کے وقت وہ کسی کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ دس بج رہے ہیں۔

درزی: (ایک دینار دے کر) انہیں دینا اور کہنا نبض دیکھ کر صرف نسخہ لکھ دیں ہم جانتے ہیں رات میں انہیں تکلیف ہوگی۔

خادمہ: (ایک دینار دیکھ کر لپک کر جاتی ہے کہ اسے بھی انعام ملے گا۔) اچھا اچھا ٹھہرو۔ میں جا کر کہتی ہوں۔

(ادھر جیسے ہی خادمہ جاتی ہے درزی درزن لاش کو اندر کی سیڑھیوں کے

ساتھ لگا کر بھاگ جاتے ہیں۔ ادھر خادمہ آرام گاہ میں جا کر یہودی حکیم سے کہتی ہے۔)

خادمہ: قسم موسیٰ اور اس کے احکام کی .... ایک دولت مند جوڑا آیا ہوا ہے۔ ایک بچے کو لے کر صرف نسخہ لکھ دیجئے۔ ایک دینار آپ کو بلانے کے لیے دیا ہے۔

یہودی ایک دینار لے کر کپڑے بدل کر نیچے اترتا ہے۔ چشمہ اور گھڑی ڈھونڈنے میں ذرا دیر ہو جاتی ہے۔ اندھیرا تو تھا ہی کبڑے پر پیر پڑ جاتا ہے اور کبڑا اوپر سے نیچے لڑھکتا ہوا گر جاتا ہے۔

یہودی: (نبض دیکھتا ہے) ہائے دہائی ہارون اور یوشع بن نون کی یہ میں نے کیا کیا ایک دھکے میں اس بیمار کو مار ڈالا۔

دیکھتا ہے کہیں خادمہ نہ آجائے۔ فوراً اسے لاد کر گھر کے اندر لے جاتا ہے اور بیوی سے کچھ کہتا ہے..........

بیوی: ارے یہ اس بیمار کو لے کر کمرے میں کہاں گھسے آرہے ہو۔

یہودی حکیم: ارے چپ رہ میں نے اسے گرا کر مار ڈالا اب اس مردے کو باہر کس طرح نکالوں۔

(آہستہ آہستہ سرگوشی میں اسے کچھ کہتا ہے۔)

بیوی: آخر تم نیچے گئے ہی کیوں؟

یہودی حکیم: کوئی دولت مند لوگ آئے تھے خادمہ کو ایک دینار دے کر بھیجا کہ جا کر حکیم سے کہو کہ ان کے بچے کی نبض دیکھ کر نسخہ لکھ دیں۔

بیوی: پھر وہ لوگ کہاں گئے؟

یہودی: میں چشمہ ڈھونڈ رہا تھا کچھ دیر ہوگئی شاید چلے گئے ہوں اور اسے علاج کے لیے......

بیوی: (بات کاٹتے ہوئے) چلو ہمارا پڑوسی مسلمان مکھی چوس۔ بادشاہ کا خانساماں ہے۔ سارا تیل گھی چرا کر لاتا ہے۔ کبھی مانگو تو نہیں دیتا اس کی چھت ہم سے نیچی ہے۔ وہیں پھینک دیں گے۔

یہودی حکیم: واہ واہ قسم موسیٰ کی اور اس کے دس احکام کی تم نے بہت اچھی ترکیب سوچی ہے اس کم بخت پڑوسی سے سب نالاں ہیں۔

دونوں اپنی چھت سے کبڑے کو اس کے گھر پر لٹکا کر دیوار کے سہارے کھڑا کر دیتے ہیں۔

مسلمان خانساماں بہت کنجوس تھا۔ تمام چیزیں لا کر گھر میں جمع کرتا رہتا تھا۔ گھر میں بہت چوہے ہو گئے تھے اور چوہوں کی وجہ سے دن بھر بلّیاں آتی رہتی تھیں۔ چھت پر سے اکثر کتے آ کر گوشت وغیرہ لے جاتے تھے۔ غرض اس کے سامان کا بہت نقصان ہوتا تھا۔

اتنے میں خانساماں نے دیکھا ایک آدمی دیوار سے لگ کر کھڑا ہے۔

''اچھا تو تو چور ہے جو میرا گھی، گوشت تیل چرا کر لے جاتا ہے اور اب مجھے دیکھ کر چھپ رہا ہے۔ ایک ہتھوڑا لیتا ہے اور اس کے سینے پر وار کرتا ہے۔ کبڑا فوراً نیچے گر پڑتا ہے۔ شمع جلا کر نبض دیکھتا ہے۔ گھبرا جاتا ہے۔

خانساماں: ارے یہ تو مر ہی گیا۔ لاحول ولاقوۃ اب کیا کروں؟

(اپنے آپ سے)

باہر اندھیرا ہے اسے کاندھے پر لے جا کر بازار میں چھوڑ آتا ہوں، اور ایسا ہی کرتا ہے۔ ایک عیسائی شرابی گانا گاتا ہوا آتا ہے۔

(خوبصورت سا گیت) نشے میں چور ہے۔ کبڑے کو کونے میں کھڑا دیکھتا ہے

تو سمجھتا ہے چور ہے۔ اسے پکڑ کر خوب مارنا شروع کر دیتا ہے اور چلاّ تا ہے ''کوتوال کوتوال چور چور۔ چور پکڑا گیا۔ کل اس نے میرے پیسے چرائے تھے۔ اب میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

کوتوال: کیا ہوا؟ آخر ماجرا کیا ہے؟

عیسائی: آپ لوگ تو چور نہیں پکڑ سکے۔ کل اس نے میرے پیسے چرائے تھے اور آج بھی میرے گھر کے سامنے چھپ کر کھڑا تھا کہ میں آؤں اور یہ میرے پیسے چھین لے آخر میں نے اسے مار مار کر بیہوش کر دیا۔

کوتوال: ارے یہ تو مر چکا ہے۔ (نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھتا ہے۔)

(کوتوال نے عیسائی کی مشکیں باندھیں اور اسے شہر کے حاکم کے گھر لے گیا۔)

حاکم کا گھر

حاکم: تو تم نے اس آدمی کا خون کر دیا۔

عیسائی: حضور میں نے تو دو چار تھپڑ مارے تھے اب مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ مر ہی جائے گا۔

حاکم: تمہیں کیا ضرورت تھی اسے مارنے کی۔ چور کو ہم خود تلاش کرتے۔ ہم سزا دیتے۔

عیسائی: حضور اب میں کیا کروں مجھے معاف کر دیں کہ میں بے قصور ہوں۔

حاکم: تم خونی ہو اور اپنے آپ کو بے قصور کہتے ہو۔ ہر مجرم اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (چوبدار سے) جاؤ شہر میں ڈھنڈورا پیٹو کہ ایک کبڑا جس کا خون اس مائیکل عیسائی کے ہاتھوں ہوا اسے کل پھانسی کی سزا

دی جائے گی۔ کبڑے کے لواحقین اس کی لاش لے جائیں۔

منادی: سنو، سنو ایک کبڑے کو مائیکل نامی شخص نے قتل کر دیا ہے اگر وہ کسی کا رشتہ دار ہے تو کل اس کی لاش شہر کے حاکم کے گھر سے لے لی جائے اور کبڑے کے قاتل کو بیچ شہر میں پھانسی دی جائے گی۔ سب انجام دیکھنے کو حاضر رہیں۔
سنو...... سنو......

(منظر تبدیل)

مائیکل کو تختے لگائے جاتے ہیں۔ جلاد آتا ہے اور اس کے گلے میں رسّی ڈالتا ہے۔ قریب ہوتا ہے کہ اسے لٹکا دے کہ وہی خانساماں بھیڑ کو چیرتے ہوئے اندر آتا ہے اور کہتا ہے۔

خانساماں: حضور ایک بے گناہ کو موت کے منہ میں جاتا دیکھ میں اپنے آپ کو نہ روک سکا کہ اسکا خون میرے ہاتھوں ہوا ہے۔

حاکم: تو نے اسے کیوں قتل کیا؟

خانساماں: کل رات جب میں اپنے گھر گیا تو یہ روشن دان سے اتر کر میرے گھر کی چیزیں چرا رہا تھا۔ میں نے صرف ایک ہتھوڑا ہی مارا تو دیکھا کہ یہ مر چکا ہے میں ہی اس کی لاش کو مائیکل کے گھر کے پاس ایک کونے میں کھڑا کر آیا۔ اس لیے پھانسی کا مستحق میں ہوں۔

حاکم: ٹھیک ہے جب تو اپنا گناہ قبول کرتا ہے تو اسے چھوڑ دیا جاتا ہے اور کل تجھے پھانسی دی جائے گی۔ (وقفہ)

چوبدار: منادی کروا دو کہ اصلی قاتل پکڑا گیا ہے اور مائیکل کو چھوڑ دیا گیا ہے کل سب تماشہ دیکھنے آئیں۔

(منظر تبدیل)

بادشاہ کا دربار

(درباری اور مصاحبین کے درمیان بادشاہ سلامت کچھ پریشان سے ہیں۔)

ایک درباری: حضور جان کی امان ہو تو عرض کروں کہ آج حضور کے دشمنوں کی طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے۔

بادشاہ: ہاں ہم کچھ پریشان ہیں امور سلطنت کے کاموں سے تھک کر چور ہو گئے ہیں۔ پھر دو روز سے ہمارا کبڑا مسخرہ بھی نہیں آیا جو ہمیں ہنسایا کرتا تھا۔

ایک اور درباری: حضور آج شہر کے حاکم نے اعلان کروایا تھا کہ ایک کبڑے کی لاش ملی ہے جسے کسی خانساماں نے قتل کر دیا تھا کہیں یہ ہمارا جبار نہ ہو۔ قاتل کو کل پھانسی لگنے والی ہے۔

بادشاہ: کل بھیس بدل کر ہم بھی اس پھانسی کی کارروائی دیکھنے جائیں گے اور معلوم کریں گے کہ وہ کبڑا کیا ہمارا جبار ہے؟

وزیر: جہاں پناہ، میں ابھی حاکم، خانساماں اور کبڑے کی لاش کو آپ کے سامنے حاضر کرواتا ہوں۔

بادشاہ: نہیں وزیر اعظم نہیں، ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہماری سلطنت میں حاکم صحیح فیصلہ کرتے ہیں یا نہیں اور انصاف ہمارے ہاں لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہے یا نہیں؟

وزیر: ٹھیک ہے جہاں پناہ جو حضور کا حکم ہو۔

خانساماں کے تختے لگائے جاتے ہیں۔ جلاد اس کے گلے میں ابھی رسی ڈالتا ہی ہے کہ یہودی حکیم مجمع کو چیر کر آگے بڑھتا ہے۔

یہودی حکیم: حضور اسے میں نے قتل کیا ہے یہ خانساماں بے گناہ ہے مجھے پھانسی دیجئے۔

حاکم: تم نے اسے کیوں قتل کیا؟

یہودی حکیم: حضور دھوکے سے یہ مر گیا کل میرے پاس ایک مرد، عورت شاید اس کبڑے کو لے کر آئے ہوں۔ میں نے لباس تبدیل کرنے میں کچھ دیر کر دی وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ میرا دھکا اسے لگ گیا اور یہ سیڑھیوں سے گر کر مر گیا۔ میں نے اور میری بیوی نے اسے پڑوسی کی چھت سے اس کے گھر میں اتار دیا۔ یہ میرے گھر ہی میں مر چکا تھا اس لیے سزا مجھے ملنی چاہیے۔

حاکم: اے حکیم اگر تو نے اس کا خون کیا ہے تو واقعی خانساماں کو بے قصور پھانسی مل رہی تھی چل اب تو پھانسی پر چڑھ جا کہ کافی تعداد میں لوگ یہاں موجود ہیں۔ جو تیری موت سے عبرت حاصل کریں گے کہ تو نے ایک لاش کو اپنے پڑوس کے گھر میں پھینک دیا اور اسے مصیبت میں گرفتار کروایا۔

اتنے میں ایک مرد، عورت (درزی اور درزن) آگے بڑھتے ہیں۔

درزی: اسے میں نے قتل کیا ہے یہ یہودی حکیم بے گناہ ہے۔

حاکم: یا خدا یہ کیا ماجرا ہے آخر کتنے لوگوں نے اس کبڑے کو قتل کیا ہے اور اصلی مجرم کون ہے؟ یہ کیا مذاق ہے۔

درزن: حضور اصلی مجرم ہم دونوں ہیں یہ قتل مجھ سے ہوا ہے؟

حاکم: قانون سے کھیلنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی۔ جلد بتاؤ کہ تم نے اسے کیوں قتل کیا؟

درزی: حضور میں اور میری بیوی کل میلے سے کھیل تماشہ دیکھ کر آ رہے تھے دریا پر ہم نے ٹم ٹم روکی کہ مچھلی لے لیں۔ یہ کبڑا وہیں ڈفلی بجا کر گا رہا تھا۔ اس کی حرکتوں سے ہم دونوں بہت محظوظ ہوئے اور اسے اپنے گھر مہمان بنا کر لے آئے۔ میری بیوی نے پیار سے اسے ایک مچھلی کا ٹکڑا دیا جو یہ مسخرے پن میں پورا نگل گیا۔ اس کا کانٹا اس کے گلے میں چبھ گیا اور یہ مر گیا۔ ہم اسے چادر میں لپیٹ کر اس کی لاش کو یہودی حکیم کے گھر چھوڑ آئے۔ دس بجے

شب کا عمل تھا۔ (پورا واقعہ بیان کرتا ہے۔ بیک ڈراپ میں دکھاتے ہیں۔)

حاکم: یہ سچ کہتے ہیں۔

یہودی: جی حضور! دس بجے اس کبڑے کو میرا دھکا لگا تھا اور میں سمجھا یہ میرے دھکے سے مر گیا۔

حاکم: یا خدا یہ کیا راز ہے؟ یہ عجیب و غریب قصہ ہے جسے قلم بند کیا جانا چاہئے۔ (جلاد سے)

یہودی حکیم کو چھوڑ دے اور درزی کو پھانسی لگا۔

درزن: ''حضور مگر مچھلی کا ٹکڑا اس کے منہ میں، میں نے ڈالا تھا۔

حاکم: پھر اب کیا کیا جائے؟

مجمع: رحم، رحم — درزی۔ درزن بے قصور ہیں۔

حاکم: بادشاہ کا حکم ہے موت کا بدلہ موت میں کیسے قانون توڑ سکتا ہوں۔ (جلاد سے)

حاکم: دونوں کو پھانسی دی جائے۔

اتنے میں مجمع کو چیر کر ایک شخص جس نے شملہ سے منہ ڈھانپ رکھا ہے آگے بڑھتا ہے۔ پیچھے وزیر اور دو چار مصاحبین۔ جب وہ شخص اوپر چڑھ کر آتا ہے اور شملہ منہ سے ہٹاتا ہے تو سب حیران رہ جاتے ہیں۔

مجمع: بادشاہ سلامت زندہ باد — بادشاہ کا انصاف زندہ باد — رحم، بادشاہ رحم —

بادشاہ: اتنا عجیب واقعہ ہم نے آج تک نہیں سنا پھر وہ کبڑا کوئی اور نہیں ہمارے دربار کا مسخرا جبار تھا جس کی موت کا ہمیں افسوس ہے مگر ہم درزی اور درزن کو معاف کرتے ہیں کہ انہوں نے جان بوجھ کر یہ قتل نہیں کیا۔

مجمع: مرحبا بادشاہ — زندہ باد — بادشاہ کا انصاف قائم رہے۔

(فیڈ آؤٹ)

خصوصی مضمون

ٹیلی ویژن کے لیے اسکرپٹ کیسے لکھیں!

اپنے موضوع کے پیش نظر ہم آپ کو باور کراتے چلیں کہ مسلسل محنت اور کوشش سے آپ کسی بھی فن میں امتیاز کے نئے نشانے قائم کر سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ آپ اس کے بنیادی آداب سے واقف ہوں۔ اگر آپ کچھ لکھنا چاہتے ہیں تو مطالعے کی عادت ڈالیے، اخبار سے لے کر ناول، افسانے، رپورتاژ، سفرنامے، خودنوشتیں، یادداشتیں، جو بھی آپ کے ہاتھ آئے، پڑھ ڈالیے۔ اگر آپ کو اسکرپٹ لکھنے کا شوق ہے تو بالخصوص ڈراموں کا مطالعہ کیجیے، تھیٹر اور سنیما دیکھیے۔ میوزیکل اوپیرا دیکھیے اور سنئے۔ اس طرح آپ کے ذوق وشوق میں بالیدگی آتی چلی جائے گی۔

مطالعہ کے ساتھ ساتھ اب لکھنے کی طرف توجہ دیں۔ آپ کیا لکھنا چاہتے ہیں۔ یہ فیصلہ آپ خود کریں گے۔ اپنے ذوق اور وجدان کے مطابق انفرادی طور پر اپنی ذات کے اظہار کے لیے اور اجتماعی طور پر سماج کی بہتری اور بہبودی کے لیے ہم اپنے قلم سے کام لیتے ہیں۔ کبھی شعوری طور پر اور کبھی غیر شعوری طور پر کوئی حادثہ، کوئی واقعہ، کوئی کردار ہمیں اس قدر متاثر کرتا ہے کہ ہم بے اختیار لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اپنے ذوق جمال کی آرائش کے لیے ہم کسی بھی صنف کو اظہار کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ یہ نثر میں افسانہ، انشائیہ، فکاہیہ، ڈرامہ، یا ناول کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

عموماً موضوع کی اہمیت اور ضرورت کے مطابق ہم صنف کا انتخاب کرتے ہیں۔ مان لیجیے، ہم نمائش میں سرکس دیکھنے جاتے ہیں، وہاں ہمیں ایک جوکر یعنی مسخرے کا کردار متاثر کرتا ہے جو طرح طرح سے ہمیں ہنسانے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی

رسی پر بل کھاتے ہوئے چلتا ہے تو کبھی شیر کے منہ میں اپنا سر دے کر ہمیں آئینۂ حیرت بنا دیتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ آپ کے افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ جزوی طور پر دیگر تفصیلات کے بیان کے لیے سرکس کے جانور، تماشا دکھانے والے دیگر کرداروں کے علاوہ سامعین اور ناظرین بھی موجود ہیں۔ اب آپ کو افسانے کا آغاز کرنا ہے۔ پیش نظر رہے کہ دس منٹ کے افسانے میں آغاز و وسط اور انجام تین مراحل سے آپ کو گزرنا ہے۔ شروع کے دو منٹ یعنی دو صفحے اس قدر دلچسپ ہوں کہ پڑھنے والا ان میں کھو کر رہ جائے۔ خیال رہے افسانہ کے پلاٹ میں مرکزی نکتے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ یعنی جو بات آپ افسانے کے قاری تک پہنچانا چاہتے ہیں وہ کیا ہے۔

آیئے ایک بار پھر مسخرے کی طرف واپس لوٹ چلیں۔ ہم افسانہ کا آغاز ڈاکٹر کے کلینک سے کرتے ہیں جہاں باہر بیٹھے ہوئے مریض اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں۔ آخر میں ایک سنجیدہ صورت نوجوان کلینک میں داخل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اس کا خوش دلی سے استقبال کرتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکنوں کو سنتا ہے۔ نبض کی رفتار دیکھتا ہے، بلڈ پریشر چیک کرتا ہے اور خوشدلی سے بتلاتا ہے۔ ''آپ بالکل ٹھیک ہیں، پوری طرح صحت مند...... بس آپ ذرا تناؤ سے بچنے کے لیے کامکس پڑھیے، جاسوسی ناول بھی مزہ دے جاتے ہیں، مزاحیہ تحریر بھی آپ کو شگفتگی سے آشنا کرتی ہے۔''

ڈاکٹر کی بات ختم ہوتے ہی مریض نوجوان رسانی سے جواب دیتا ہے۔ ''میں یہ سب کچھ کر کے دکھ چکا ہوں مگر میرا المیہ یہ ہے کہ مجھے ہنسی نہیں آتی۔'' ڈاکٹر ہنستے ہوئے مریض کو ڈھارس دیتا ہے۔ ''کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چیز ہمارے لاشعور میں گھر کر جاتی ہے اور ہم نشاط کے معنی سے ناآشنا ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ محض ایک وقفہ عارضی ہوتا ہے یعنی Temporary Phase، اچھا ہاں...... یاد آیا، شہر میں آج کل سرکس آیا ہوا ہے۔ جس میں ایک مسخرے کے کردار کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ لوگ اس کے شگوفے سن کر لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ آج کی شام سرکس کے جوکر کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ آیئے آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے، خوب مزہ آئے

گا۔ مسخرے کے لطیفوں سے آپ کی سنجیدگی کا سارا گردوغبار دھل کے رہ جائے گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے ڈاکٹر مگر کیا یہ سن کر آپ کو حیرت نہیں ہوگی کہ جس مسخرے کی شہر میں دھوم مچی ہوئی ہے، وہ میں ہوں...... میں؟ مسخرے کی کہانی کا Resolution یا نچوڑ یا کلائمکس کیا ہوا؟ یہی کہ مسخرہ ساری دنیا کو ہنسا سکتا ہے مگر خود ہنس نہیں سکتا۔ غرض کہ اس کی ٹریجڈی میں بھی کامیڈی شامل ہے۔''

تو جناب اس طرح آپ افسانے کے تانے بانے بن سکتے ہیں۔ خیال رہے افسانہ کا اختتام چونکا دینے والا اور عبرت خیز ہو کہ اسی میں افسانے کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ یہی بات ٹی۔وی سیریل اور فلم کے اسکرپٹ پر بھی لاگو ہوتی ہے۔

چلئے ہم اپنے مطلب کی طرف آتے ہیں۔ ٹی۔وی اسکرپٹنگ کی بات کرتے ہیں۔ آج چھوٹے پردے کی مقبولیت اور اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہر دن ایک نیا چینل وجود میں آتا ہے۔ خبریں، خبروں پر تبصرے، اسپورٹس کی باتیں، کرکٹ کی لائیو کوریج، فیشن شو، ریائلٹی شوز، فلموں اور فلمی ستاروں کی باتیں، میوزک ٹیلنٹس کی تلاش، لطیفوں کی دنیا، ذہنی ورزش کے مقابلے، نئی دنیاؤں کی سیر، مہم جوئی، موٹر ریس، ماؤنٹینیئرنگ، خلائی سیاروں پر انسانی فتوحات کی کہانیاں، جنگلوں، دریاؤں، صحراؤں میں حیرت انگیز جانوروں کی بود وباش...... غرض یہ کہ ہزار رنگ چینلز ہماری تفریح طبع اور معلومات میں اضافہ کے لیے رنگوں کی بارش کرتے رہتے ہیں۔

یہاں یہ بتلانا ضروری قرار پاتا ہے کہ سیریلز کے اپی سوڈ لکھتے وقت تخیل کی گلکاری اور شادابی از بس ضروری ہے۔ سیریلز لکھتے وقت ماحول سازی کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ موضوع کا انتخاب بھی ایک بنیادی امر ہے۔ پھر آپ کرداروں میں ان کی افتادِ طبع کے مطابق رنگ بھرنے کا کام کرتے ہیں۔ البتہ کامیو نے کہیں کہا تھا......

> ''میں اپنے کرداروں سے پیار کرتا ہوں، انہیں پالتا پوستا ہوں، ان کے ساتھ دن رات بسر کرتا ہوں اور جب وہ پوری طرح میرے وجود کا حصہ بن جاتے ہیں تب جا کر انہیں لفظوں میں ڈھالتا ہوں۔''

..........خیال رہے پیدائش زندگی اور موت کی طرح کہانی کے کردار عروج و زوال کی منزل سے گزرتے ہیں۔ کردار کی تخلیق و تعمیر کے ضمن میں ماحول سازی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اس کی خوبیوں خامیوں اور کمزوریوں پر لکھنے والے کی پوری گرفت لازمی ہے۔ یعنی کردار سازی میں نیچرل عناصر پر زور دینا چاہیے تاکہ آپ اپنے کردار کو ٹائپ Type ہونے سے بچا سکیں۔ ظاہر ہے سیریئل یا فلم میں ایک سے زائد کردار ہوتے ہیں۔ ان کی باہمی آویزش کو پورے تناؤ کے ساتھ پیش کرنے کے لیے مکالمہ آرائی کے ہنر سے آشنائی از بس ضروری امر ہے۔ مکالموں کے ذریعہ ہم کرداروں کو پینٹ (Paint) کرتے ہیں۔ کردار سازی میں سچویشن کے مطابق کبھی کبھی اس کی خاموشی بھی مکالمہ کا نعم البدل بن جاتی ہے۔ دو کرداروں کے درمیان مکالمہ آرائی کے وقت تصادم لازمی ہے تاکہ ان کی شخصیت / شخصیتوں کی انفرادیت واضح ہو سکے جہاں ضرورت ہو وہاں طنز و مضحک سے بھی کہانی کی فضا کو تقویت عطا کی جاسکتی ہے۔

کہانی کے بنیادی عناصر تین ہیں۔ یعنی ابتدائیہ (Begining)، تصادم (Confrontation)، اور مطمع نظر۔ ڈرامائی پیش کش جسے انگریزی میں Resolution کا نام دیا جاتا ہے۔ اسکرپٹ لکھتے وقت ان تینوں عناصر کی ترتیب و توازن کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے۔ آپ ذرا سا جہاں چوکے، کہانی کے لازمی تارو پود سے صرف نظر کیا، تو سمجھئے کہ آپ کے اسکرپٹ میں جھول پیدا ہو جائے گا۔

بیشتر اچھے اسکرپٹ لکھنے والے ایک سے زائد زبانوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اگر آپ ہندی میں اسکرپٹ لکھنا چاہتے ہیں تو اردو ریڈیم سے آپ کا واقف ہونا لازمی ہے۔ انگریزی کے بھی شناسا ہوں تو کیا کہنے۔ پھر آپ کی جمالیاتی حس جس قدر تیز ہوگی آپ اسی قدر خوبصورت اسکرپٹ لکھ سکیں گے۔ اسکرپٹ لکھتے وقت بولی ٹھولی کی زبان لکھئے۔ ہماری مراد عوامی زبان سے ہے جسے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے۔ مصنف کردار کی بہترین پیشکش کے لیے اس کے گیٹ اپ پر پورا دھیان مرکوز کرے۔ یعنی اس کی بود و باش اس کے ہلنے، چلنے اور چلنے کا انداز اس کے چہرے کے

تاثرات اس کی نشست و برخاست کے آداب اس کے بولنے کا رنگ ڈھنگ وغیرہ غرض کہ کردار لکھنے والے کے ذہن میں پوری طرح زندہ اور روشن ہو، تبھی وہ اس کے ساتھ پورا انصاف کر سکے گا۔

اسکرین پلے:

پردۂ سیمیں پر کسی بھی خیال (Concept) کو پیش کرنے کے لیے اسکرین پلے یا منظرنامہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسکرین پلے رائٹنگ کے لیے آپ کو بالخصوص لوکیشن پر دھیان دینا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے کرداروں کا تعارف ڈرائنگ روم میں ہوتا ہے، تو آپ کو ڈرائنگ روم کی تمام تر جزئیات بیان کرنا ہوں گی۔ صوفہ سیٹ، ٹیبل، دیوار، دیوار گیر گھڑی، کوئی معنی خیز پینٹنگ، ٹیلی فون، ٹی۔وی وغیرہ۔ ان اشیاء کو کردار یا کرداروں کے ساتھ Relate کرنے یا جوڑنے کا کام بھی اسکرین پلے رائٹر کو کرنا ہے۔ تاکہ اچھے اثرانگیز مناظر کیمرے میں قید کیے جا سکیں۔ اشاراتی طور پر کرداروں کے خصائص کا بیان بھی اسکرین پلے یا منظرنامے کا حصہ ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر ڈرائنگ روم میں مختلف عمروں کے تین مرد اور ایک جوان عورت بیٹھے ہوئے بے چین نظر آرہے ہیں، گھر کے مالک کا قتل ہو گیا ہے۔ ان چاروں میں سے ایک جوان عورت کا نوجوان عاشق ہے جو راتوں کے اندھیرے میں اس سے ملنے آتا ہے۔ ایک خاص پہر میں جب اچانک گھڑی کا الارم بج اُٹھتا ہے، عورت کی نظر اپنے سوئے ہوئے بوڑھے شوہر کی طرف جاتی ہے جو نیند کی گولی کھا کر خراٹے بھر رہا ہے اور پھر عورت بیڈروم سے ڈرائنگ روم میں آہستہ آہستہ جاتی ہے جہاں اس کا جوان عاشق اس کا منتظر ہے، عورت کے بوڑھے امیر شوہر کا اسی دوران قتل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے قتل کرنے والا اس کا عاشق نہیں کوئی اور ہے۔ اب ڈرائنگ روم میں دو مرد اور ہیں اور ان میں سے ایک مرنے والے کا سوتیلا بھائی ہے، اور دوسرا پہلی مطلوقہ بیوی سے مقتول کا جائز لڑکا ہے۔ ان میں سے آخر کون قتل کر سکتا ہے۔ کیا قتل پہلی بیوی کے لڑکے

کی سازش کا نتیجہ ہے؟ یا پھر مرنے والے کا سوتیلا بھائی اس سے انتقام کا خواہاں ہے؟

اس دوران پولیس تفتیش کرتی ہے۔ ذہین پولیس افسر اس قتل کے راز سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ قاتل کوئی اور نہیں، دولت مند شخص کا نوجوان نوکر ہے جو دراصل دولت مند شخص کی ناجائز اولاد ہے۔ مرتے وقت گھریلو خادمہ اپنے کمسن بچے کو یہ راز بتلا کر دم توڑتی ہے۔ وہ خاموشی سے ماں کے مرنے کے بعد خادم کی حیثیت سے گھر میں کام کرتا رہتا ہے اور جیسے جیسے بڑا ہوتا ہے، اسے جوان ماں کی موت کی چبھن نیندوں سے جگا دیتی ہے۔ جس سے دولت مند شخص ہر رات ریپ (Rape) کرتا ہے اور جب اس کے حمل ٹھہر جاتا ہے تو اسے الزام لگا کر گھر سے نکال دیتا ہے۔

اب اس سسپنس بھری کہانی کا جاندار اسکرین پلے لکھنے کے لیے اسکرین پلے رائٹر کو مختلف لوکیشنز کا انتخاب کرنا ہوگا۔ یہ لوکیشنز Interior اور Exterior لوکیشنز ہوں گی۔ کامیاب اسکرین پلے کہانی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتا ہے۔ خواجہ احمد عباس نے وی۔ شانتارام کی فلمیں ''جہیز'' اور ''دنیا نہ مانے'' اتنی بار دیکھیں کہ انہیں اسکرین پلے یاد ہو گیا۔ آگے چل کر جب انہوں نے لازوال فلمیں لکھیں تو بیانگ دہل اعتراف کیا کہ اسکرین پلے لکھنے کا فن انہوں نے وی۔ شانتارام کی ان دو فلموں سے سیکھا۔ فلموں کے مشہور زمانہ نقاد اور فلم انڈیا کے ایڈیٹر بابوراؤ پٹیل کو اسکرین پلے کی نزاکتوں سے کماحقہ آشنائی تھی۔ مراد یہ ہے کہ فلم کی کامیابی میں اسکرین پلے کا زبردست ہاتھ ہوتا ہے۔

کامیاب اسکرین پلے رائٹر کے لیے ضروری ہے کہ وہ فلم کے دیگر شعبوں پر بھی گہری نظر رکھتا ہو۔ خیال کو سلولائڈ کے پردے پر بھرپور طور سے اُتارنے کے لیے کیمرہ کی تکنیکی باریکیوں کو مہارت کی حد تک جاننے کے بعد ہی اچھا اور اثر انگیز اسکرین پلے لکھا جا سکتا ہے۔ کہانی کے مرکزی خیال کو مختلف مناظر میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مناظر کو شاٹس (Shots) میں بانٹا جاتا ہے۔ کیمرے سے عکاسی کا کام اگر درون خانہ لیا جائے تو لوکیشن کو Interior کا نام دیتے ہیں۔ اور اگر بازار کا سین ہے تو Exterior کا نام

دیتے ہیں۔ شوٹنگ کے وقت زمان و مکان کی بھی اہمیت ہوتی ہے۔ یعنی مناظر کو کہاں فلمایا جا رہا ہے، فلمبندی دن میں کی جا رہی ہے یا رات میں، شوٹنگ میں ایک سے زائد کیمرے استعمال کیے جا رہے ہیں یا پھر ایک کیمرے سے کام لیا جا رہا ہے۔

کیا بالائی مناظر کے لیے Top Scenes کے لیے ٹرالی پر کیمرہ رکھ کر اسے Move کیا جا رہا ہے۔ کیمرے کن زاویوں سے ایستادہ کیے جائیں کہ عکاسی کا تاثر بھرپور ہو سکے۔ اس کے لیے بھی اسکرین پلے رائٹر سچویشن کے مطابق ہدایت کے لیے رہنما اصول قائم کر سکتا ہے۔ غرض کہ اسکرین پلے رائٹر کو موٹے طور پر کیمرہ مین اور ہدایت کار کو بھی مہمیز کرنا ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے ان تکنیکی ماہرین کو آپ اسی وقت مہمیز کر سکتے ہیں جب کیمرہ بندی کے تکنیکی اصولوں اور ضابطوں سے کسی حد تک واقف ہوں۔

اسکرین پلے رائٹر کے کردار اور خصائص پر خاصی گفتگو ہوئی۔ آیئے، اب کیمرہ مین اور کیمرہ کے تعلق سے کچھ بات چیت ہو جائے۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ بڑے ہدایتکاروں کے اپنے پسندیدہ اور مخصوص کیمرہ مین ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر گرودت اپنی فلموں کی عکس بندی کے لیے بنگلور کے مشہور زمانہ کیمرہ مین کے۔ مورتھی کی خدمات حاصل کرتے تھے۔ ''پیاسا''، ''کاغذ کے پھول'' اور ''صاحب بی بی اور غلام'' جیسی فلموں کی بہترین فوٹوگرافی کے لیے انہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ فریدوں ایرانی، فالی مستری اور کرماکر بھی غیر معمولی عکاس تھے۔

آپ فلمیں ضرور دیکھتے ہوں گے۔ اگر آپ فوٹوگرافی کا کمال دیکھنا چاہتے ہیں تو راج کپور، محبوب خان، بمل رائے، ستیہ جیت رے، کے۔ آصف، ایس۔ یو۔ سنی۔ اور اے۔ آر۔ کاردار کی فلمیں ضرور دیکھیں اور خصوصی طور پر ان کی فلموں کی عکاسی کے مختلف زاویوں پر پوری پوری توجہ دیں۔ گووند نہلانی غضب کے کیمرہ مین اور ہدایتکار تھے۔ اسی طور ستیہ جیت رے کیمرہ کی تکنیکی نزاکتوں کو بخوبی سمجھتے تھے۔ یہ خوبی کے۔ آصف، بمل رائے اور راج کپور میں بھی تھی۔ یہ سبھی ہدایتکار اپنے کیمرہ مین سے ربط خصوصی رکھتے تھے اور ذہنی موانست کی بنا پر پردہ پر زندگی کی سچی جھلکیاں پیش کرنے

میں کامیاب رہتے تھے۔ پس تو ثابت ہوا کہ کیمرہ مین اور ہدایت کار کے درمیان ذہنی تال میل ہم آہنگی اور ''ریپو'' (Rapport) کے نتیجے کے طور پر مناظر کو زیادہ اثرانگیز طور پر فلم بند کیا جا سکتا ہے۔

کیمرہ مین ہدایت کار کے ساتھ سین کو ڈسکس کرنے کے بعد اس کی ہدایت کے مطابق شاٹ دیتا ہے۔ جیسے ہی اداکار لوکیشن پر مکالموں کی ادائیگی کا آغاز کرتا ہے، کیمرے کا کام بھی شروع ہو جاتا ہے۔ کیمرے کو جب ڈائیلاگ بولتے ہوئے شخص پر مرکوز کیا جاتا ہے تو تکنیکی اصطلاح میں اسے ''چارج'' (Charge) کہتے ہیں۔ کیمرہ کو آگے پیچھے کیا جائے تو اسے ''پل بیک'' (Pull Back) کہتے ہیں، اور جب سین میں کوئی نیا کردار داخل ہوتا ہے تو اس کو ''اینٹر'' (Enter) کہا جاتا ہے۔ اسی طور پر جب ایک کردار کی نظر سے دوسرے کردار کو دکھایا جائے تو اسے پوائٹ آف ویو (Point of View) کہتے ہیں۔

مثلاً آپ کا سین ہے محل کے ایک کمرے کا جس میں ملکہ نیم برہنہ حالت میں اپنے حبشی غلام کے ساتھ محوِ عشق ہے اور کیمرہ ملکہ پر چارج ہوتا ہے جو ڈائیلاگ ادا کر رہی ہے۔ مگر عین اسی وقت بادشاہ شکار سے واپس لوٹتا ہے اور کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ اسے اینٹر (Enter) کہتے ہیں۔

کسی بھی سین کو درمیان سے شروع کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے کوئی بات کہی گئی ہو اور دوسرے سین میں بھی اس کا ذکر مقصود ہو تو اسے ہاف وے سے شروع کرتے ہیں تاکہ بار بار سین کو دوہرانا نہ پڑے۔ اگر کیمرہ کو نیچے سے اوپر لانا ہو تو اسے Tilt Up کہتے ہیں۔ جیسے آپ ہیرو کو بتانا چاہتے ہیں تو پہلے کیمرہ کے ذریعہ اس کے پاؤں دکھائیں۔ جب کیمرہ کو اوپر سے نیچے کی طرف لایا جاتا ہے تو اسے کیمرے کی اصطلاح میں Tilt Down کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب آپ کسی ایسے سین کو فلما رہے ہوں جہاں سب سے اونچی منزل آگ کے شعلوں میں گھری ہو، تو کیمرہ آگ کے شعلوں سے ہوتا ہوا آہستہ آہستہ نیچے کی طرف آئے گا جہاں حیران اور پریشان لوگوں کی

بھیڑ جمع ہے۔ یہ ری ایکشن شاٹ ہوگا۔ اسی طور جب کیمرہ کو دائیں بائیں حرکت میں لاتے ہیں تو اسے Pan کہتے ہیں۔ عموماً منظر کو کلی طور پر عکس بند کرنے کے لیے Panning کی تکنیک کو اپنایا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ دور تک پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلوں کو کیمرہ میں قید کرنا چاہتے ہوں تو یہاں Pan کرنے کی تکنیک کو بروئے کار لایا جائے گا۔ کبھی کبھی ہمیں ایسا سین فلمانا ہوتا ہے جو مختلف مناظر کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یعنی کیمرہ یکے بعد دیگرے ایک جگہ سے دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں جگہ جاتا ہے۔ اگر ان بدلتی ہوئی لوکیشن کو الگ الگ فلمایا جائے تو وقت کا زیاں ہوگا اور سین بھی سست روی کا شکار ہو جائے گا۔ کہانی کی رفتار بھی سست روی کی شکار ہو جائے گی۔

کہانی کی رفتار کو سست روی سے بچانے کے لیے مونتاژ (Montage) کی تکنیک کا استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی ماں اپنے گمشدہ بچے کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسرے جگہ بھٹک رہی ہے، ایک گھر سے باہر نکل رہی ہے، دوسرے میں داخل ہو رہی ہے۔ وہاں سے نکل کر گلی میں گلی سے سڑک پر سڑک سے نکل کر ڈھابے پر نظر دوڑاتی ہے۔ ان تمام شاٹس کو یکے بعد دیگرے منظر کی صورت میں تیزی سے دکھایا جاتا ہے۔ تو ہم اسے مونتاژ کا نام دیتے ہیں۔ کبھی کبھی سمبالک شاٹ (Symbolic Shot) سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ بوس و کنار کے منظر کو کنایۃً دکھانا چاہتے ہیں تو آپ دو پھولوں کو ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہوتے ہوئے دکھلا سکتے ہیں۔ کیمرہ کی زبان میں اسے سمبالک شاٹ کا نام دیں گے۔

کبھی اسکرپٹ کی ضرورت کے پیش نظر ایسا سین فلمانا مقصود ہوتا ہے جہاں کردار حیرت واستعجاب کی تصویر بنا ہوا نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر سمندر کے کنارے چہل قدمی کرتے ہوئے کبھی کردار کو سر کٹی ہوئی لاش نظر آجاتی ہے اور وہ خوف سے چیخ اُٹھتا ہے۔ منظر کو پُر اثر بنانے کے لیے ایسے موقعوں پر شاٹ کو فریز (Freeze) کر دیا جاتا ہے یعنی ایک لمحہ کے لیے کیمرہ Object پر ٹھہر جاتا ہے۔ تا کہ تحیر میں مزید اضافہ

ہو سکے۔ شرمیلا ٹیگور اپنے بیٹے کو میڈل لیتے ہوئے دیکھتی ہے تو اسے اپنے پُرانے دن یاد آجاتے ہیں جنہیں فلیش بک کے ذریعہ معکوس کیا جاتا ہے۔

اسی طور پر جب سین مکمل ہوکر اختتام کو پہنچتا ہے تو اسے فیڈ آؤٹ کہتے ہیں۔ یعنی منظر مکمل ہوا۔ اور جب دوسرا منظر شروع ہوتا ہے تو ہم اسے فیڈ ان (Fade In) کا نام دیتے ہیں۔ عملی طور پر کامیاب اسکرپٹ رائٹر بننے کے لیے کچھ دن اسٹوڈیوز میں گزاریئے تاکہ آپ فلم بننے کے مختلف مراحل کو اپنی جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

☆☆☆
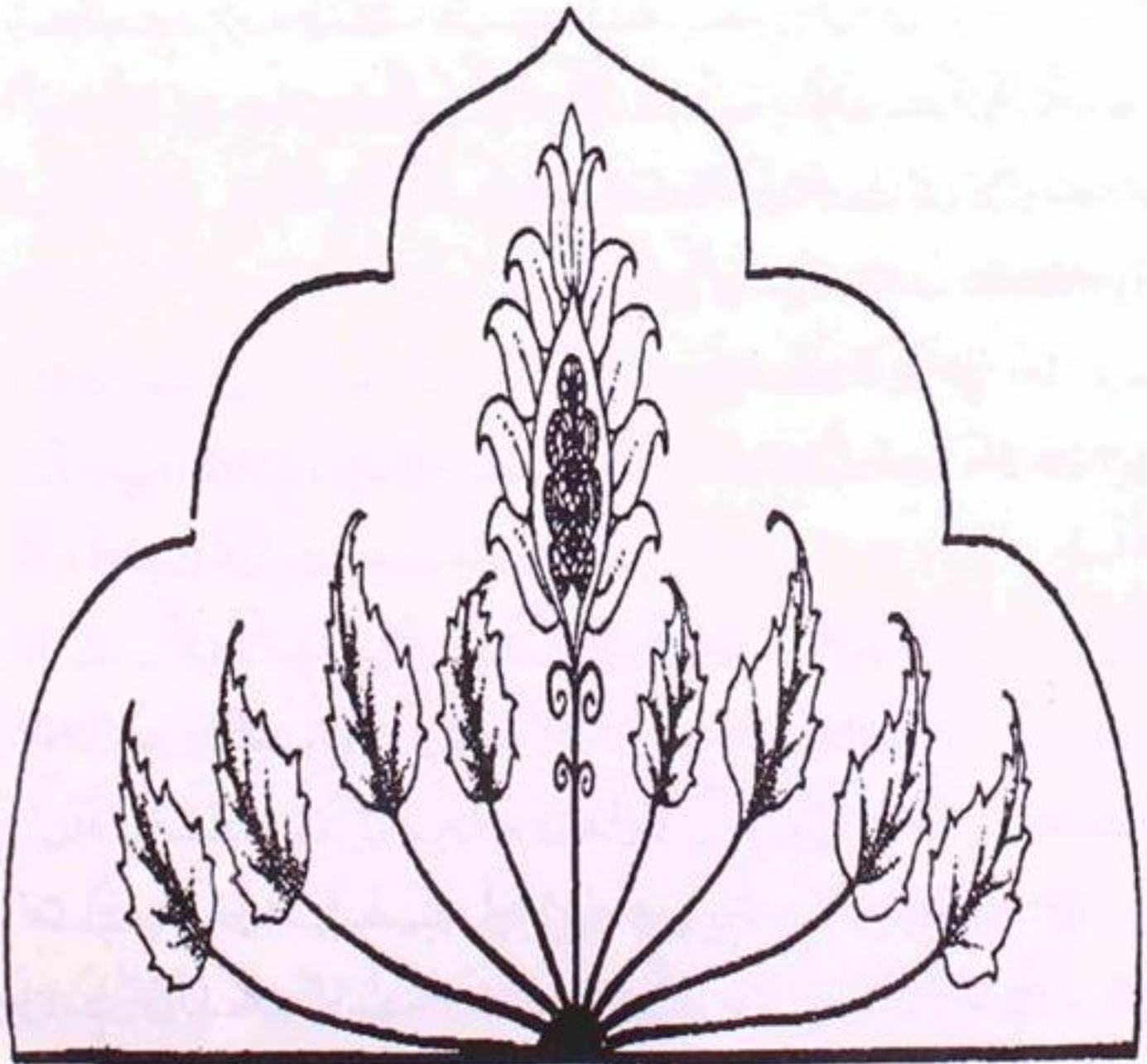
عِلم کی تلاش

جو شخص
عِلم کی تلاش میں نکلے
وہ اُس وَقت تک
خُدا کی رَاہ میں ہے
جب تک کہ
واپس نہ آجائے
○○

﴿ترمذی من انسؓ﴾

عِلم اور عَمل

یاد رکھو کہ
عِلم کے ساتھ عَمل ضروری ہے
نہ عَمل کے بغیر عِلم نافع ہے اور نہ عِلم کے بغیر
عَمل نفع بخش ہے
جس عِلم کی پُشت پر عَمل موجود نہ ہو
وہ عِلم جہل ہی کے زُمرے میں شامل ہے۔

○○

—— **حضرت داتا گنج بخشؒ**

﴿کَشفُ المَحجُوب سے﴾

علم کی میراث

لکھو!

اور

اپنے عِلم کو اپنے دوستوں کے درمیان پھیلاؤ

اور

جب وقتِ مرگ آئے تو اپنے

بچوں کو

بطورِ میراث سُپرد کرو

کیوں کہ

جب فتنہ وآشوب کا زمانہ آتا ہے

تو بجز کتاب

کوئی اور مونس و دَمساز نہیں ہوتا!

○○

امامؑ جعفرؑ صادقؑ

فیاض رفعت کی دیگر تخلیقات